خریدار وفا

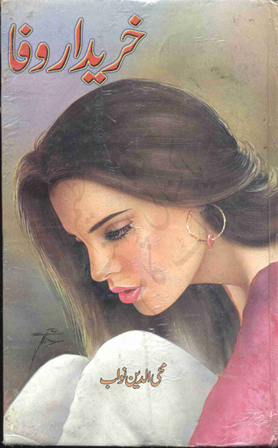

محی الدین نواب

پیش لفظ

زیرِ نظر ناول کی کہانی دو اطراف سے جاری رہتی ہے۔ ایک طرف ہندو کردار انجلی اور اجے پٹ نائیک ہیں۔ دوسری طرف دو مسلمان کردار چلمن اور دادا نواب ہیں۔

انجلی حالات کی ستائی ہوئی ہے۔ وہ اجے پٹ نائیک سے متاثر ہوتی ہے۔ اس پر بھروسہ کرتی ہے اور اس سے شادی کرتی ہے۔

کسی کی پیشانی پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ وفا کے بدلے وفا کرے گا۔ یا اس چاہنے والی کی وفا کے دوسرے خریدار پیدا کرے گا اور اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائے گا؟

اجے پٹ نائیک ابنُ الوقت ہے۔ جیسا وقت دیکھتا ہے، ویسی کروٹ لے کر منہ پھیر لیتا ہے۔ وہ اپنی وفا کرنے والی بیوی کو دیوالی کی رات جوئے میں ہار جاتا ہے۔ اس کی وفا کو نئے خریدار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

وہ حالات کی ٹھوکریں کھاتی ہوئی ایک مسلمان غنڈے دادا نواب کی پناہ میں پہنچتی ہے۔ وہ دادا نواب جو بظاہر بے رحم درندہ ہے' وہ انجلی کو بہن بنا کر تحفظ دیتا ہے۔

چلمن ایک غریب لیکن حُسن کی دولت سے مالا مال دوشیزہ ہے۔ دادا نواب جیسا فولاد اس کے حُسن کی آنچ سے پگھل جاتا ہے۔ اس کی خاطر قانون کے محافظوں سے اور شاطر دشمنوں سے ٹکراتا رہتا ہے۔

چلمن کے بوڑھے باپ کو ایک قتل کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ کہانی عجیب موڑ پر آتی ہے۔

دادا نواب اپنی چلمن کے باپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے، لیکن وہ بوڑھا اپنی بیمار بیٹی چلمن کا علاج کرانے اور اسے عزت آبرو سے سہاگن بنانے کے لئے اصل قاتل کا ساتھ دیتا رہتا ہے' اپنے ہونے والے داماد کے لئے مشکلات

پیدا کرتا رہتا ہے۔

ان کے حالات کے مطابق کہانی پیچیدہ ہوتی جاتی ہے اور جتنی پیچیدہ ہوتی جاتی ہے' اُتنی ہی دلچسپ اور سسپنس سے بھرپور ہوتی جاتی ہے۔

یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اس کہانی کے ابتدائی صفحات پڑھنے والے اس کی رنگا رنگ دلچسپیوں میں اور اس کے تجسس بھرے واقعات میں آخری صفحہ تک ڈوبتے چلے جائیں گے۔

آپ پڑھنا شروع کریں' پھر یہ ناول خود ہی آپ کو کشاں کشاں آخری صفحہ تک لے جائے گا۔

(ادارہ)

چوڑیوں کی کھن کھن ہو، پائل کی چھن چھن ہو یا زندگی کی دھما دھم ...... یہ اس وقت تک ہی سنائی دیتی ہیں، جب تک سینے میں دھڑکنیں دھوم مچاتی رہتی ہیں۔

موسیقار کی محبوبہ کو اپنے محبوب کی ہر نئی دھن میں اپنے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ اسی طرح قصائی کی محبوبہ کو چھرے اور بغدے کی ہر دھمک پر ایسا لگتا ہے جیسے اس کا محبوب گوشت کا قیمہ نہیں بنا رہا بلکہ اسے بڑے پیار سے کچل رہا ہے۔

اجے پٹ نائیک ٹیکسی ڈرائیور تھا، انجلی کا محبوب نہیں تھا محبوب شوہر تھا۔ وہ جب رات کو گھر آتا تھا اور اپنی ٹیکسی کا ہارن بجاتا تو انجلی کو یوں لگتا جیسے وہ ہارن نہیں بجا رہا ہے بلکہ اس کے دل کو اپنی مٹھی میں لے کر اس زور سے دبا رہا ہے کہ وہ باؤلا دل ہارن کی طرح دھڑکنوں کی زبان سے چیخنے لگا ہے۔

یہ محبت بھی کیا چیز ہوتی ہے؟ جب یہ ہو جاتی ہے تو پھر انسان کی عقل ہَوا ہو جاتی ہے۔ اُلٹا، سیدھا ہو جاتا ہے اور سیدھا، اُلٹا دکھائی دینے لگتا ہے۔ وہ تنہائی میں اس کے بارے میں سوچتی تھی تو سینے سے دھک دھک کے بجائے ''پوں، پوں'' کی آواز ابھرتی تھی۔ دیکھا جائے تو یہ بڑی عجیب سی بات ہے لیکن محبت ہو تو محبوبہ کو جمعدار کی جھاڑو بھی بڑی حسین لگتی ہے۔ اسے جھاڑو کا ایک تنکا بھی مل جائے تو وہ اسے سینے سے لگائے پھرتی ہے۔

وہ کچن میں تھی، ٹیکسی کا ہارن سنتے ہی ہر طرف ''پوں پوں'' کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ وہ دوڑتی ہوئی مکان سے باہر احاطے میں آئی۔ پھر وہاں سے دوڑتی ہوئی لوہے کے بڑے گیٹ کے پاس پہنچ گئی۔ دوڑتے رہنے سے جوانی نہیں ہانپتی' جذبوں کی بھاگ دوڑ سے ہانپنے لگتی ہے۔ اس نے ہانپتے ہوئے بڑے سے گیٹ کو ایک ذرا سا کھولا۔ پھر اسے دیکھتے ہی تن کر کھڑی ہوگئی۔ کولہوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''آج پھر بارہ بجے

کے بعد آئے ہو۔ میں نے کہا تھا، اس بار لیٹ ہو گئے تو اندر نہیں آنے دیا جائے گا۔''

وہ ٹیکسی کی کھڑکی سے سر نکال کر بولا۔ ''اور میں نے کہا تھا، تم مجھے روک نہیں سکو گی۔''

وہ ساڑھی کے آنچل کو ایک ادا سے لہرا کر بولی۔ ''وہ تو میں روک رہی ہوں۔ ہمت ہے تو اندر آ کر دکھاؤ۔''

''مجھے تو اندر آنا ہے اور میں ضرور آؤں گا۔ تم راستے سے ہٹ جاؤ تو بہتر ہے۔''

''ہٹ جاؤں گی، اندر آنے دوں گی، مگر ایک شرط ہے، اور وہ یہ کہ تم مجھ سے معافی مانگ لو، یہ کہو آج غلطی ہو گئی آئندہ کبھی دیر نہیں ہو گی۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''معافی کا لفظ تو اجے پٹ نائیک کی پوری زندگی میں کہیں نہیں ہے۔ میں کبھی معافی نہیں مانگوں گا اور وہ بھی ایک عورت سے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''تو پھر گھر میں تمہاری انٹری بند ہے۔''

وہ پلٹ کر گیٹ کو بند کرنا چاہتی تھی، یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ گھر میں آنے کے لئے اور اسے سینے سے لگانے کے لئے تڑپ رہا ہو گا۔

شادی کو ایک ہی ہفتہ ہوا تھا اور وہ اس عرصے میں اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ اجے پٹ نائیک بہت ہی ضدی ہے۔ ہر معاملے میں انتہا پسند ہے۔ معمولات میں کسی قسم کی رکاوٹ برداشت نہیں کرتا ہے، اور اب معمول کے مطابق اسے سینے سے لگانے کے لئے گاڑی سے نکل کر تیر کی طرح آئے گا۔

وہ بیوی تھی، ادائیں دکھا رہی تھی، پاس آنے سے پہلے تڑپا رہی تھی۔ مگر وہ جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دینے والے جذبوں کا قائل نہیں تھا۔ وہ گیٹ کے دونوں پٹ بند کرنے ہی والی تھی کہ اس نے اسپیڈ پر پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔ ''سنبھل جا! کمان سے نکلا ہوا تیر رکتا نہیں ہے۔ جے بجرنگ بلی کی......''

ٹیکسی ایک جھٹکے سے آگے بڑھی۔ انجلی کے تو ہوش اُڑ گئے۔ آندھی طوفان کی طرح بڑھنے والی ٹیکسی کی رفتار بتا رہی تھی کہ وہ رکنے والی نہیں ہے۔ وہ ایکدم سے اچھل کر پیچھے کی طرف گر پڑی۔ لڑھکتی ہوئی ایک سمت چلی گئی۔ اس پاگل پتی کی گاڑی گیٹ کے دونوں

پٹ سے ٹکراتی ہوئی، انہیں چیرتی ہوئی اندر گھستی چلی گئی۔

اگر وہ اچھل کر پیچھے نہ گرتی تو گاڑی کی زد میں آ جاتی۔ ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی کے ساتھ گاڑی ایسے چلی آئی تھی جیسے موت اس کا خاتمہ کرنے چلی آ رہی ہو۔ وہ ختم تو نہیں ہوئی تھی، البتہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

وہ ٹیکسی سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ انجلی زمین پر چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی۔ وہ فوراً ہی اسے گود میں اٹھا کر کمرے میں لے آیا۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اسے کوئی چوٹ نہیں لگی ہے، بس ذرا ہیبت سے یا دہشت سے بے ہوش ہو گئی ہے۔ وہ ایک گلاس میں پانی لے کر اس کے منہ پر چھینٹے مارنے لگا۔ انجلی ایک ذرا کسمسائی پھر ہڑبڑا کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

اس نے بڑی سنجیدہ سی مسکراہٹ سے کہا۔ ''یہ ہمارے نئے جیون کی شروعات ہے۔ میرے من مزاج کو اچھی طرح سمجھتی رہو۔ میں عورت کا چیلنج کبھی برداشت نہیں کرتا۔''

انجلی کو یوں لگا جیسے ٹیکسی کے نام پر وہ بیدردی اس پر چڑھ دوڑا ہو۔ وہ سہم کر سمٹ گئی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا پتی اس حد تک انتہا پسند ہو گا کہ اسے کسی سگنل کی طرح توڑتا ہوا گزر جائے گا۔

اجے پٹ نائیک اس کے پاس بیٹھ کر فاتحانہ انداز میں گنگنانے لگا۔ ''بیری پیا بڑا بے دردی۔ اِش......''

اس نے دونوں بازو تھام کر انجلی کو کھینچا اور ایک جھٹکے کے ساتھ سینے سے لگا لیا۔ کمر سے ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ وہ اس کی گرفت میں تڑپ کر بولی۔ ''بھگوان کے لئے! زیادہ زور نہ دکھاؤ۔ بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔''

''غلطی تم نے کی ہے، اب بھگتو۔ میں تو روز کی طرح سینے سے لگاؤں گا۔''

وہ ایک کراہ کے ساتھ بولی۔ ''قصور صرف میرا نہیں ہے، تمہارا بھی ہے۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ......''

اجے بازوؤں کا گھیرا تنگ کرتے ہوئے بولا۔ ''وعدے کی ایسی کی تیسی...... یہ گھر

میرا ہے، تُو میری ہے، میں جب چاہوں ٹیکسی کے ہارن کی طرح تیرے باجے بجا سکتا ہوں۔ دیکھتی نہیں، تجھے سینے سے لگانے کے لئے میں ایک ہیرو کے مافق رکاوٹ توڑتا ہوا آیا ہوں۔"

"رکاوٹ توڑتے ہوئے یہ تو دیکھ لیتے کہ اس کے ساتھ یہ سینے سے لگنے والی بھی ٹوٹ رہی ہے۔"

وہ اسے الگ کر کے اس کی کمر پر ایک تھپکی مارتے ہوئے بولا۔ "تُو میری پتنی ہے۔ اجے پٹ نائیک کی پتنی ہے۔ بھلا تُو کیسے ٹوٹ سکتی ہے؟"

کمر پر پڑنے والی تھپکی نے انجلی کو تڑپا کر رکھ دیا۔ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ سسکاری لیتے ہوئے بولی۔ "گر کر تو نہیں ٹوٹی تھی مگر اب لگتا ہے تمہاری جوراجوری سے ٹوٹنے ہی والی ہوں۔"

اجے پٹ نے ایک بار پھر اسے کھینچ کر بازوؤں میں بھر لیا۔ انجلی اس کے سینے سے لگی سوچ رہی تھی کہ نخرہ اور ادائیں دکھانا بڑا مہنگا پڑا تھا۔ یہ سبق مل گیا تھا کہ وہ آئندہ اسے چیلنج کرنے کی غلطی نہ کرے۔ ہر چاہنے والی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا چاہنے والا اس کے نخرے اٹھائے، وہ پاس آنے سے پہلے تڑپاتی رہے تو وہ التجائیں کرتا رہے، اور طرح طرح سے حُسن کی خیرات مانگتا رہے۔

لیکن وہ مانگنے والوں میں سے نہیں تھا، ایک ہی جھٹکے میں اپنا حق وصول کرنا خوب جانتا تھا۔ اس کے ایسے جھٹکے شادی کے ابتدائی دنوں میں انجلی کو بڑی تکلیف پہنچاتے رہے پھر دھیرے دھیرے وہ ان کی عادی ہوتی چلی گئی۔

تنہائی میں اس کے بارے میں سوچتی تو خیال آتا۔ "توبہ ہے، بڑا ہی منہ زور ہے۔ زور دکھاتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ قربت کے لمحات میں ایسی محبت جتاتا ہے جیسے تیز رفتار ٹیکسی چلا رہا ہو، اسپیڈ بریکر اور ریڈ سگنل کی پرواہ کئے بغیر دندناتا چلا جاتا ہے۔"

اس روز اجے پٹ نائیک خلافِ توقع جلدی گھر آ گیا۔ آتے ہی اسے اپنی گرفت میں لے کر بھینچتے ہوئے بولا۔ "آج تو وہ جگاس داؤ مارا ہے کہ سیٹھ کی بُدھی چکرا کر رہ گئی ہے۔"

انجلی اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔ "لیکن جوا کھیلنے کے لئے تمہارے پاس تو رقم نہیں تھی؟"

وہ ٹیکسی کے بونٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "رقم نہیں تھی مگر میری یہ مادھوری تو تھی۔ اس نے وہ ٹھمکا مارا ہے کہ ایک ہی جھٹکے میں سیٹھ کی لکشمی میری جیب میں آ گئی۔"

وہ اپنی ٹیکسی کو مادھوری کہتا تھا۔ انجلی نے حیران ہو کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا؟ تم نے اسے داؤ پر لگایا تھا؟ یہ تو تمہیں اپنی جان سے بھی پیاری ہے؟"

"ہاں ہے۔ مگر اپنی اَڑی پر آ جاتا ہوں تو جان سے پیاری چیز کو بھی داؤ پر لگا دیتا ہوں۔ یاروں نے ادھار دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک سیٹھ نے کہا کہ میں اس سے کترا رہا ہوں۔ یہ سمجھ رہا ہوں کہ اس سے ہار جاؤں گا اس لئے خالی جیب کا بہانہ کر رہا ہوں۔ بس، پھر کیا تھا؟ میری کھوپڑی گھوم گئی۔ میں نے فوراً ہی مادھوری کو پیش کر دیا۔ پھر وہ گیم کھیلا کہ سیٹھ کی واٹ لگا دی۔ وہ خالی جیب جھاڑتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔"

"اور اگر ہار جاتے تو......؟"

وہ ٹیکسی پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "تو اس وقت یہ نہ میرے پاس ہوتی اور نہ اس سیٹھ کے پاس...... اِس کی تو میں ایسی کمر توڑتا کہ لچکنا اور بل کھانا ہی بھول جاتی۔"

انجلی سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جیب سے نوٹوں کی گڈیاں نکالتے ہوئے بولا۔ "چھ دن بعد دیوالی ہے۔ اپنی شادی کی پہلی دیوالی ہم شملہ میں منائیں گے۔"

انجلی چونک کر بولی۔ "کیا؟ شملہ میں......؟ وہاں تو بہت سردی ہو گی۔"

"دیوالی کا اصل مزہ وہیں آئے گا۔ رہی سردی کی بات تو میں ہوں ناں، اپنی جان کو سینے سے لگا کر رکھوں گا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بھی تمہیں چھو نہیں سکیں گے۔"

انجلی بڑی ادا سے مسکرا کر اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔ "وہ تو ٹھیک ہے، مگر وہاں ہوٹل میں رہنا اور پھر دیوالی کی شاپنگ...... سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ اخراجات بہت بڑھ جائیں گے۔"

"ارے پرواہ کیوں کرتی ہے؟ یہ نوٹ دیکھ رہی ہے، یہ بھی کم پڑیں گے تو اپنی

مادھوری ہے نا۔ ہم اس کا انجن گرم رکھیں گے اور یہ ہماری جیب گرم رکھے گی۔"

"یعنی تم اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟"

"ارے ہم جائیں گے ہی اس پر، وہاں غیر ملکی سیاح آتے ہیں۔ دس قدم کے فاصلے پر بھی جانا ہو تو ٹیکسی اور آٹو والے ان سے سو دو سو روپے اینٹھ لیتے ہیں۔ میں بھی یہی کروں گا۔ یعنی ایک تیر سے دو شکار...... پھر دیوالی کی رات تو جوا کھیلنے کے لئے ہوتی ہے۔ اس رات لکشمی دیوی مہربان ہوتی ہے۔ جیب کو گرما گرم رکھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے رہنا ہوگا۔"

"لکشمی دیوی مہربان نہ ہوئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ وہاں تو کوئی ادھار دینے والا بھی نہیں ملے گا۔"

"تیرا بس چلے تو مجھے چوڑیاں پہنا دے۔ اری بھاگوان! وہ دیوالی ہی کیا جس میں جوا نہ ہو۔ ہم شملہ جائیں گے اور اپنی پہلی دیوالی بھرپور انداز میں ایسے منائیں گے کہ ہمیشہ یاد رہے گی۔"

انجلی چپ ہوگئی۔ یہ سوچ کر اچھا لگ رہا تھا کہ وہ شادی کی پہلی دیوالی ایک مہنگے اور خوبصورت شہر میں منانے والے ہیں۔

☆======☆======☆

دو دن بعد انہوں نے رختِ سفر باندھا۔ شملہ دنیا کا سب سے بڑا ہل اسٹیشن ہے، برطانوی حکمران موسمِ گرما میں اسے دارالسلطنت کا درجہ دیتے تھے۔ یہاں بڑے بڑے سیاستدان، فوجی افسران، شاعر ادیب اور غیر ملکی سیاحوں کا میلہ لگا رہتا ہے۔ یوں تو شملہ جانے کے لئے دہلی سے ہوائی جہاز، بسیں اور نیرو گیج (ریل کار) وغیرہ چلتی ہیں مگر اجے پٹ نائیک اپنی مادھوری (ٹیکسی) کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا تاکہ رومانس اور کنوینس کے ساتھ ساتھ فنانس کی بھی پریشانی نہ رہے۔

کالکا پل سے گزرتے وقت اجے پٹ نائیک نے برابر بیٹھی ہوئی انجلی کو دیکھا پھر کہا۔ "یہی وہ جگہ ہے، جہاں ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ تمہاری بس خراب نہ ہوتی تو شاید میری زندگی اب تک نہ سنورتی۔"

دس روز پہلے انجلی کالج ٹرپ پر منالی جا رہی تھی۔ وہاں سے واپسی پر ان کی بس خراب ہوگئی تھی۔ ایسے میں لڑکیوں کو گروپ کی صورت میں ٹیکسیوں کے ذریعے دہلی پہنچایا گیا تھا۔ انجلی کا گروپ پٹ نائیک کی ٹیکسی میں دہلی کے لئے روانہ ہوا تھا۔ وہ فرنٹ سیٹ پر اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی اور وہ اسے چور نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔ حُسن کے خزانے کو نگاہوں ہی نگاہوں میں چُراتا رہا تھا۔

وہ اس کی نظروں کو سمجھ رہی تھی۔ چور چوری کر رہا تھا مگر نہ جانے کیوں انجلی کو اس کی نظریں ناگوار نہیں گزر رہی تھیں؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ "کم بخت۔ ٹیکسی ڈرائیور ہے لیکن ایسا خوبرو اور بھرپور جوان ہے کہ کوئی بھی لڑکی اسے اپنا آئیڈیل بنا سکتی ہے۔"

اجے پٹ نائیک نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے حاصل کر کے ہی رہے گا۔ منزل پر پہنچنے سے پہلے اس نے انجلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "سنو! مجھے تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی ایسی بے باکی پر پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکیاں بھی حیران رہ گئیں۔ دیدے پھیلا کر اسے دیکھنے لگیں۔ وہ بولا۔ "میرا اس سنسار میں کوئی نہیں ہے۔ میں ہوں یا میری یہ مادھوری، میرا مطلب ہے میری یہ ٹیکسی ہے۔ نند اور ساس کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ بولو! کیا مجھ سے شادی کرو گی؟"

وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی...... پہلی بار کسی نے اتنی بے باکی سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ ہمیشہ سے ہی دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسا جی دار ملے جو دنیا کی پرواہ کئے بغیر اسے اس سے مانگ کر لے جائے۔ اب جبکہ یہ حسرت پوری ہو رہی تھی تو وہ بوکھلا گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اسے کیا جواب دے؟

پیچھے بیٹھی ہوئی ایک لڑکی نے کہا۔ "تم اسمارٹ ہو، کسی ہیرو سے کم نہیں ہو لیکن تمہارا کام اچھا نہیں ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ انجلی جیسی خوبصورت لڑکی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے شادی کرے گی؟"

اس نے عقب نما آئینے میں اس لڑکی کو گھور کر دیکھا پھر کہا۔ "کیا تم نے فلم راجہ ہندوستانی نہیں دیکھی؟ اس کا ہیرو ایک ٹیکسی ڈرائیور تھا، ہیروئن اسی سے محبت کرتی ہے اور

پھر ان کی شادی ہو جاتی ہے۔ میں بھی ڈرائیور ہوں۔ اپنی ہیروئن سے محبت کرنے لگا ہوں اور جلد ہی شادی بھی کرلوں گا۔''

انجلی اسے دیکھ رہی تھی اور اپنے حالات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسے ونڈ اسکرین کے پار اپنی بھاوج دکھائی دی۔ وہ اسے گالیاں دے رہی تھی اور برتن پھینک کر مار رہی تھی۔ وہ برتن اس کی پیشانی پر لگا تھا، وہاں سے خون رِسنے لگا تھا۔ بھائی نے آکر پوچھا۔''کیا ہوا؟''

اس نے بھاوج کی شکایت کی۔ وہ ہاتھ نچا کر بولی۔''جھوٹ بولتی ہے، میں تو آپ کے بھلے کے لئے سمجھا رہی تھی، سیٹھ چنڈی داس آپ کو دو لاکھ روپے دے رہا ہے۔ اگر یہ اس سے شادی کے لئے ہاں کردے گی تو دو لاکھ میں ہمارے کتنے ہی دلدّر دور ہو جائیں گے۔''

انجلی نے روتے ہوئے کہا۔''میں اس بوڑھے سے شادی نہیں کروں گی۔''

بھائی نے ناگواری سے کہا۔''ممی اور پاپا تو مر گئے، تجھے ہمارے گھر میں پھینک گئے۔ دس برس سے تیرا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔ اسکول کے بعد پڑھائی نہیں روکی۔ کالج میں اس لئے پڑھا رہے ہیں کہ اچھے سے اچھا رشتہ آئے اور جب آرہا ہے تو نخرے دکھا رہی ہے۔''

پھر وہ اپنی پتنی سے بولا۔''پتہ ہے۔ اب وہ چنڈی داس دو کے بدلے تین لاکھ دینے پر راضی ہو گیا ہے۔ دس برس میں ہم اس پر تین لاکھ سے زیادہ خرچ کر چکے ہیں۔ اگر یہ سیدھی طرح نہیں مانے گی تو میں ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے چنڈی داس کے گھر پھینک آؤں گا، اور اپنے تین لاکھ کھرے کرلوں گا۔''

وہ گم صم سی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ بھائی کے سوا اتنی بڑی دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ جہاں بھی پناہ لینے جاتی، وہاں اس کے حسن وشباب کا مول تول کیا جاتا۔ کسی جوان پر تو کیا، کسی بوڑھے پر بھی بھروسہ نہیں کرسکتی تھی۔ بوڑھے تو جوانوں سے زیادہ جوانی کو دیکھ کر للچاتے ہیں۔

اس کے چاروں طرف اندھیرا تھا۔ نہ کوئی راستہ دکھائی دے رہا تھا، نہ کہیں سے کسی

سہارے کی امید تھی۔ اس نے کن انکھیوں سے پاس بیٹھے ہوئے پٹ نائیک کو دیکھا اگرچہ یہ پہلی ملاقات تھی، لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسے برسوں سے جانتی ہے۔ اور اب تک اسی کا انتظار کرتی رہی ہے۔

دل ایک ذرا ڈانواڈول ہو رہا تھا۔ اس پر بھروسہ کرے یا نہ کرے؟ اس دنیا میں کسی پر تو بھروسہ کرنا ہی تھا۔ ہر لڑکی شادی کے نام پر جوا کھیلتی ہے۔ ایک اجنبی مرد پر بھروسہ کرتی ہے۔ یہ یقینی بات تھی کہ ایک ماہ بعد امتحانات سے فارغ ہو گی تو بھائی اسے تین لاکھ کے عوض بیچ ڈالے گا۔

ایسے میں کسی ایسے مضبوط سہارے کی ضرورت تھی۔ جو اسے بھائی کی چھری تلے جانے سے پہلے ہی بچا لیتا۔ ان لمحات میں اجے پٹ نائیک بھگوان کا اوتار دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔''اگر تم مذاق کر رہے ہو تو اب راستے بھر خاموش رہنا اور اگر واقعی میرا ہاتھ تھامنا چاہتے ہو تو ابھی مندر چلو۔''

لڑکیوں نے شدید حیرانی سے یک زبان ہو کر کہا۔''مندر......؟''

پٹ نائیک کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ انجلی جیسی خوبصورت لڑکی اتنی آسانی سے ہاتھ آجائے گی، پکے ہوئے پھل کی طرح جھولی میں گر جائے گی۔ ایک لڑکی نے کہا۔''انجلی! تم ہوش میں تو ہو۔ زندگی کے اہم فیصلے یوں سرِ راہ نہیں کئے جاتے۔''

دوسری لڑکی نے کہا۔''اور نہیں تو کیا، پتہ نہیں یہ اجنبی کون ہے؟ اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ تم صرف اس کی بے باکی سے متاثر ہو گئی ہو۔''

تیسری لڑکی نے کہا۔''یہ ہیرو بن رہا ہے اور تم کسی ہیروئن کی طرح سر جھکا رہی ہو۔ میری جان! یہ لائف ہے، کوئی فلم نہیں ہے جہاں کسی پر بھی اندھا اعتماد کرلیا جائے۔''

انجلی خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی پھر بولی۔''میں اپنوں سے زخم کھا چکی ہوں۔ اگر یہ میرے لئے اجنبی ہے تو وہ بھی اجنبی ہے، جس سے بھیا میری شادی کرانا چاہتے ہیں۔ میرے ایک طرف کھائی ہے تو دوسری طرف کنواں ہے۔ جب مجھے گرنا ہی ہے تو میں وہاں گرنا چاہوں گی جہاں میرا من کرتا ہے۔''

جوڑے آسمان پر بنتے ہیں لیکن ان کا جوڑا کالکا پل پر بنا تھا۔ وہ بڑی خاموشی سے اجے پٹ کی جھولی میں آ گئی تھی۔ راستے میں نظریں چار ہوئی تھیں اور ایسے ہوئی تھیں کہ اب وہ دونوں ایک ہو گئے تھے۔

وہ یادوں کے حصار سے نکل کر اپنے پتی کو دیکھنے لگی۔ وہ بولا۔ ''جانتی ہو، میں نے تمہیں جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کیوں کیا تھا؟''

اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے کہا۔ ''تم جب پہلی بار اس سیٹ پر بیٹھی تھیں میں نے تب ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ میرے برابر تم جیسی حسین لڑکی کو ہی بیٹھنا چاہئے۔ بس اس جذبے نے وہ جوش مارا کہ میں نے بے دھڑک شادی کی بات کہہ دی۔ اور تم بھی خوب نکلیں۔ فوراً ہی مندر چلنے پر راضی ہو گئیں۔''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''اچھا؟ تو صرف اپنے برابر بٹھانے کا جذبہ تھا اور کوئی لگاؤ نہیں تھا مجھ سے؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا، قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ بعض اوقات سمجھ میں نہیں آتا کہ سامنے والا کیوں ہنس رہا ہے؟ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اندازہ ہوتا ہے کہ ان قہقہوں کے پیچھے کون سے تیور چھپے ہوئے ہیں؟

☆======☆======☆

وہ تقریباً نو گھنٹے کا سفر طے کرنے کے بعد انڈیا کی ایک خوبصورت ویلی مَنالی پہنچے۔ پٹ نائیک نے ٹیکسی کو وہاں کے ایک مشہور ماؤنٹ ویو ریسٹورنٹ کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔ ''شام کے چھ بج رہے ہیں۔ یہاں رات کا کھانا کھائیں گے پھر آگے چلیں گے۔''

پہاڑوں پر شام اتر رہی تھی۔ انجلی بڑی محویت سے دھندلاتے ہوئے پُر ہیبت پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی بات سن کر بولی۔ ''نہیں۔ میں رات میں سفر نہیں کروں گی۔ ہم صبح یہاں سے چلیں گے۔ رات کسی ہوٹل میں گزاریں گے۔ مجھے ویسے ہی پہاڑی راستوں سے بہت ڈر لگتا ہے اوپر سے یہ رات کا اندھیرا...... نہ بابا نہ! میں تو دن میں سفر کروں گی۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے سرکار نے اسٹریٹ لائٹ کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔ ارے! یہاں سے شملہ تک تمام راستہ رات میں بھی جگمگاتا رہتا ہے۔''

انجلی گرم شال میں سمٹتے ہوئے بولی۔ ''مجھے نہیں پتا۔ میں رات یہیں گزاروں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ سامنے والے ریسٹورنٹ میں کوئی کمرہ بُک کراتے ہیں۔ آؤ......!''

انجلی عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''یہ تو مہنگا لگ رہا ہے۔ یہاں کمرے کا کرایہ زیادہ ہوگا۔ ذرا آگے چل کر دیکھتے ہیں، شاید کوئی سستا ہوٹل مل جائے؟''

اجے سر جھٹک کر بولا۔ ''سیزن نہیں ہے، کرایہ کم ہی ہوگا۔ گرمیوں میں آتے تو ٹورسٹوں کی وجہ سے یہاں والوں کے دماغ نہیں ملتے۔ گرمیوں میں یہاں دس روپے کی چیز سو روپے میں ملتی ہے۔''

انجلی اس کے ساتھ چلتی ہوئی ریسٹورنٹ کے اندر آ گئی۔ پٹ نائیک کاؤنٹر کلرک سے بات کرنے لگا۔ وہ ایک طرف صوفے پر بیٹھ گئی۔ ہوٹل کا جائزہ لینے لگی۔ غیر ملکی چہرے کم ہی دکھائی دے رہے تھے۔

کمرہ بُک کرانے کے بعد وہ ایک ویٹر کے ساتھ ریسٹورنٹ سے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ہی ویٹر ان کا ضروری سامان اور ایک اٹیچی اٹھا کر اندر آیا۔ پٹ نائیک نے انجلی سے کہا۔ ''آؤ۔ کمرہ اوپری منزل پر ہے۔''

وہ دونوں ویٹر کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے ایک کمرے کے سامنے پہنچ گئے۔ اجے پٹ دروازہ کھول کر سامان اندر رکھنے لگا۔ انجلی نے ویران کوریڈور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بڑا سناٹا ہے۔ کیا سب کمرے خالی ہیں؟''

ویٹر نے مسکرا کر کہا۔ ''نہیں میڈم! سب خالی نہیں ہیں۔ تین، چار بُک ہیں۔ سردی کے موسم میں کسٹمرز کم ہی ہوتے ہیں۔''

ویٹر چابی تھما کر جانے لگا۔ پٹ نائیک نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ارے او گھونچو! یہ تو لیتا جا......''

وہ جاتے جاتے رُک گیا۔ فوراً ہی پلٹ کر باچھیں پھیلا کر اسے دیکھنے لگا۔ اس نے

جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ پھیلی ہوئی باچھیں ایکدم سے سکڑ گئیں۔ اس نے بڑی مایوسی سے دس کے نوٹ کو یوں دیکھا جیسے بخشش نہیں، بھیک مل رہی ہو۔ اس نے بے دلی سے اس نوٹ کو لیا۔ پھر اونہہ کے انداز میں سر جھٹک کر وہاں سے چلا گیا۔

انجلی کمرے کا اور واش روم کا جائزہ لے رہی تھی۔ اجے پٹ دروازہ بند کر کے اسے بازوؤں میں بھرتے ہوئے بولا۔ ''اُدھر کیا دیکھ رہی ہے؟ میں یہاں ہوں۔''

انجلی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کہہ نہ سکی۔ وہ جذبوں کی بولی بولنے لگا تھا۔ اپنی عادت کے مطابق تیز ہوا کی طرح چلتے چلتے آندھی طوفان بن گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کی گرفت سے آزاد ہو کر بُری طرح ہانپتے ہوئے بولی۔ ''یہ۔ یہ کمرہ تو مہنگا لگ رہا ہے۔ کیا کرایہ ہے اس کا......؟''

اجے پٹ بیڈ پر لیٹ کر ہاتھ پاؤں پھیلاتے ہوئے بولا۔ ''ہر بات مت پوچھا کر۔ کم کرایہ ہے، تب ہی لیا ہے۔''

وہ اس کے برابر بیٹھ کر ایک ذرا خفگی سے بولی۔ ''کبھی کبھی تم مجھے بالکل ہی زیرو کر دیتے ہو۔ کسی غیر کی طرح اپنے معاملات سے دور کر دیتے ہو۔ کیا پتنی ہونے کے ناطے میں اتنا بھی نہیں پوچھ سکتی؟''

وہ اسے ایک بازو میں جکڑ کر اپنے اوپر گراتے ہوئے بولا۔ ''تو ابھی تک میرے مزاج کو نہیں سمجھی ہے۔ میں نے پہلے ہی دن تجھے سمجھا دیا تھا، کبھی یہ نہ پوچھنا کہ میں باہر کیا کرتا ہوں؟ کتنا کماتا ہوں؟ کیسے رہتا ہوں؟ باہر کے ہتھکنڈے گھر کی عورت کو بتانے والے گدھے ہوتے ہیں۔ اب یہاں سے شملہ اور شملہ سے واپس دہلی تک کسی خرچے کا حساب مت پوچھنا۔ ورنہ......''

دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے دروازے کے پاس آ کر بولا۔ ''کون ہے؟''

باہر سے آواز سنائی دی۔ ''روم سروس پلیز......''

اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا۔ ویٹر ہاتھ میں تولیہ اور صابن لئے کھڑا

تھا۔ اندر آ کر انہیں ایک میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ ''سر! ڈنر یہاں کریں گے یا نیچے ریسٹورنٹ میں......؟''

اجے پٹ ویٹر کو شانے سے تھام کر کمرے سے باہر نکالتے ہوئے بولا۔ ''نیچے۔ ریسٹورنٹ میں......''

اس نے اتنا کہا پھر اسے باہر دھکا دے کر دروازے کو ایک زوردار آواز کے ساتھ بند کر دیا۔ انجلی منہ دبا کر ہنستے ہوئے بولی۔ ''تم بھی حد کرتے ہو۔ وہ بے چارہ اتنے پیار سے پوچھ رہا تھا اور تم نے اسے کمرے سے ہی نکال دیا۔''

وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''سالا، کباب میں ہڈی بننے آیا تھا۔''

انجلی اس کے تیور سمجھ گئی تھی۔ فوراً ہی بیڈ سے اتر کر بولی۔ ''بہت زور کی بھوک لگی ہے۔ فریش ہو کر نیچے چلتے ہیں۔ کھانے کے بعد انجوائے کریں گے۔''

وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔ ''بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔''

اتنا کہتے ہی وہ اسے بازوؤں میں سمیٹتا ہوا دھپ سے بستر پر آ گیا۔ وہ اکثر ہی ایسے غیر متوقع حملے کیا کرتا تھا۔ یہ اس کی بازی گری تھی کہ کوئی وار خالی نہیں جاتا تھا اور کیسے جاتا، انجلی اچانک حملوں کی عادی ہو چلی تھی۔

★======★======★

ایک گھنٹے بعد وہ نیچے آئے تو ریسٹورنٹ میں کسی حد تک چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ انجلی نے ایک کارنر ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آؤ۔ وہاں بیٹھتے ہیں۔''

وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا اس میز پر آ گیا۔ انجلی نے ذرا سمٹتے ہوئے کہا۔ ''تم بہت ضدی ہو۔ اس سردی میں یہ منی بلاؤز مضحکہ خیز لگ رہا ہے۔ ایک تو ساڑھی پہنا دی اوپر سے گرم شال بھی اوڑھنے نہیں دی۔ سب مجھے دیکھ رہے ہیں، سوچ رہے ہوں گے۔ اس سردی میں ساڑھی پہننے کی کیا ضرورت تھی اور اگر پہن ہی لی تھی تو گرم شال بھی لپیٹ لیتی۔''

''یہ تمہاری ساڑھی کو نہیں، ساڑھی سے جھلکتے ہوئے چکنے بدن کو دیکھ رہے ہیں، اور

میں یہی چاہتا ہوں ،سب تمہیں دیکھیں اور ہاتھ ملتے رہیں۔جب لوگوں کی ترستی ہوئی نگاہیں تمہارے بدن پر بھٹکتی ہیں تو مجھے بڑا سکون ملتا ہے۔یہ سوچ کر فخر ہوتا ہے کہ تیری سندرتا کی راجدھانی پر صرف میرا راج ہے۔''

ویٹر نے مینو ان کے سامنے رکھی۔وہ ڈشیں پسند کرنے لگی۔ایسے ہی وقت ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔''اوئے نائیک! تُو یہاں......؟''

انہوں نے چونک کر دیکھا۔وہ اپنی آواز کی طرح بھاری بھرکم سا تھا۔پٹ نائیک اسے دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا،فوراً ہی اس سے لپٹتے ہوئے بولا۔''ابے لوکھنڈے! تُو یہاں کیا کر رہا ہے؟''

وہ ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے،آنے والے کا چہرہ انجلی کی طرف تھا،وہ بڑی شوخ اور ٹٹولتی ہوئی نظروں سے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے نظروں ہی نظروں میں تول رہا ہو۔وہ اس سے کترا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ملنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ گہرے دوست ہیں۔

پٹ نائیک نے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔''کیا اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے؟''

اس نے تائید میں سر ہلایا۔پٹ نائیک نے انجلی سے کہا۔''یہ میرا جگری یار رمیش لوکھنڈے ہے۔''

وہ فوراً ہی ہاتھ جوڑ کر نمستے کرتے ہوئے بولی۔''آپ دونوں کھڑے رہیں گے یا بیٹھیں گے بھی......؟''

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے،لوکھنڈے کی نگاہیں بدستور ساڑھی سے جھلکتے ہوئے بدن پر بھٹک رہی تھیں۔ایسی چبھتی ہوئی نگاہیں تھیں کہ وہ گھبرا کر ساڑھی کے پلو کو ادھر اُدھر سے لپیٹنے لگی۔پٹ نائیک اس کی نظروں کو بھانپ گیا تھا،فوراً ہی اس کا ہاتھ تھام کر اٹھتے ہوئے بولا۔''انجلی! تم کھانے کا آرڈر دو۔ہم ابھی آتے ہیں۔''

لوکھنڈے اتنے حسین نظارے سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا۔جبراً اس کے ساتھ جاتے ہوئے بولا۔''بڑی پٹاخہ چیز ہے،کہاں سے اُڑا کر لا رہا ہے؟''

وہ ذرا دور جا چکے تھے لیکن انجلی نے صاف طور پر اس کی آواز سنی تھی۔وہ اپنے

بارے میں ایسی رائے سن کر ذرا چونک گئی۔پٹ نائیک اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے بولا۔''آہستہ بول۔اسے میں نے اڑایا نہیں ہے،یہ خود ہی اڑتی چلی آئی ہے۔''

اس نے حیرت سے کہا۔''اچھا......؟''پھر ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔''پھر تو میرے یار! تُو اس کے پَر کاٹ چکا ہوگا؟''

وہ مسکرا کر بولا۔''پَر تو ایسے کاٹے ہیں کہ اب یہ کہیں اُڑ کر جا ہی نہیں سکے گی۔''

لوکھنڈے نے خوش ہو کر پٹ نائیک کو دیکھا،پھر ستون کی اوٹ سے انجلی کو دیکھتے ہوئے کہا۔''پَر کٹی چڑیا تو اپُن کو بھی بہت پسند ہے۔ذرا اسے میرے پنجرے میں بھی پھڑ پھڑانے کو بھیج دے۔''

اس نے گھور کر اسے دیکھا پھر سخت لہجے میں کہا۔''تُو کیا سمجھ رہا ہے؟ یہ ایسی ویسی لڑکی نہیں ہے،تیری بھابی ہے۔''

لوکھنڈے نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا پھر بے یقینی سے کہا۔''کیا بولتا ہے؟......بھابی......؟''

اس نے تائید میں سر ہلایا۔وہ قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے بولا۔''ابے سالے! کیوں جھوٹ بول رہا ہے؟ ہم ہمیشہ ایک پلیٹ میں کھاتے ہیں۔اس بار اچھی ڈش مل گئی ہے تو یار کو ڈاج دے رہا ہے؟''

وہ اپنے ٹیٹوے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔''ماں قسم! یہ میری دھرم پتنی ہے۔ابھی دس روز پہلے ہماری شادی ہوئی ہے اور ہم دیوالی منانے شملہ جا رہے ہیں۔''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔پھر مایوسی سے بولا۔''قسم کھا رہا ہے تو یقین کرنا ہی پڑے گا۔ویسے ایک بات ہے،اس معاملے میں تیری قسمت مجھ سے اچھی نکلی۔بڑی دھانسو چیز ملی ہے۔''

وہ فاتحانہ انداز میں اپنی انجلی کو دیکھنے لگا پھر اس سے بولا۔''چل! اب کھانا ہمارے ساتھ کھا۔''

''ہاں،ہاں۔شادی کی خوشی میں ٹریٹ تو ہونی چاہئے۔ویسے تمہارا روم نمبر کیا ہے؟''

''ہم کمرہ نمبر سات میں ٹھہرے ہیں اور تُو......؟''

وہ خوش ہو کر بولا۔ ''سات میں ہے تو میں چودہ میں ہوں۔ تیرے سامنے والا کمرہ میرا ہے۔''

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ٹیبل پر آ گئے۔ انجلی ساڑھی کے پلّو کو اچھی طرح لپیٹ چکی تھی۔ چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اس کے یار کی دھرم پتنی ہے، اس کے دیکھنے کا انداز نہیں بدلا تھا۔ پٹ نائیک نے پوچھا۔ ''شملہ جا رہا ہے یا دہلی......؟''

وہ بولا۔ ''جانا تو دہلی تھا، لیکن جب اپنا یار دیوالی شملہ میں منائے گا تو مجھے بھی شملہ جانا ہوگا۔''

اسے پٹ خوش ہو کر بولا۔ ''پھر تو دیوالی کا مزہ آ جائے گا۔ تاش کے پتّوں سے قسمت کے تماشے ہوں گے۔ خوب جمے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو......''

وہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ انجلی کو کوفت ہو رہی تھی۔ وہ خواہ مخواہ جونک کی طرح چمٹ گیا تھا۔ لوکھنڈے نے پوچھا۔ ''وہاں رہنے کا کیا بندوبست کیا ہے؟''

''کسی ہوٹل میں کمرہ لیں گے۔''

''کیا بولتا ہے؟ یار کے ہوتے ہوئے ہوٹل میں رہے گا؟ اپنا کاٹیج کس لئے ہے؟ وہاں رہیں گے، دن رات ساتھ رہے گا۔''

ایسا کہتے ہوئے وہ چور نظروں سے انجلی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جلدی سے بولی۔ ''ارے نہیں بھائی صاحب! آپ زحمت نہ کریں۔ ہم ہوٹل میں......''

لوکھنڈے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''بھائی بھی کہہ رہی ہو اور اپن کی بات سے انکار بھی کر رہی ہو۔''

پھر وہ نائیک کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''یار! انہیں سمجھا! یہ مجھے غیر سمجھ رہی ہیں۔''

اسے مسکرا کر بولا۔ ''اس کی بات مان لو ورنہ یہ ہمیں شملہ میں کہیں رہنے نہیں دے گا۔''

انجلی نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ لوکھنڈے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''بس۔ فیصلہ ہو

گیا۔ بھابی...... جان!''

اس نے بھابی کے ساتھ 'جان' ایسے کہا جیسے 'جانِ من' کہہ رہا ہو۔ وہ پریشان ہو کر نائیک کو دیکھنے لگی۔ وہ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ ''اچھا ہے، ادھر اُدھر بھٹکنے سے بہتر ہے ہم اس کے کاٹیج میں رہیں۔''

انجلی نے ایک گہری سانس لے کر لوکھنڈے کو دیکھا پھر جبراً مسکرا کر کہا۔ ''اوکے! جب یہ راضی ہیں تو پھر میں کیا کہہ سکتی ہوں؟''

وہ تینوں ڈنر سے فارغ ہو کر اپنے اپنے روم میں جانے لگے۔ انجلی اسے سامنے والے کمرے کی طرف جاتا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہ لاک کھولتے ہوئے بولا۔ ''نائیک! کیا اب نے رات میں بازی لگانی چھوڑ دی ہے؟''

وہ انجلی کی کمر کو ایک بازو کے حصار میں لے کر معنی خیز انداز میں بولا۔ ''یہ تجھے کس نے کہا؟ اب تو صبح شام بازی لگاتا ہوں اور ایسی لگاتا ہوں کہ چِت بھی میری ہوتی ہے اور پَٹ بھی میری......''

انجلی نے ایک ذرا جھینپ کر اسے دیکھا پھر نظریں چراتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ وہ بھی زوردار قہقہہ لگاتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے اندر چلا گیا۔

لوکھنڈے کچھ دیر تک اپنے دروازے سے ٹیک لگائے ان کے بند دروازے کو دیکھتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بڑبڑایا۔ ''سالا قسمت کا دھنی ہے۔ کوئی بات نہیں بیٹے! آج یہ دھن تیرا ہے' کل میرا ہوگا۔ ایسی چکا چوند کرنے والی دولت ساتھ لے کر پھرتے رہو تو وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔''

وہ بڑے اعتماد سے مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆======☆======☆

سورج کی کرنیں کھڑکی کے راستے کمرے میں آنا چاہتی تھیں لیکن پردے میں اٹک کر رہ گئی تھیں۔ رکاوٹ کے باوجود کمرے کو روشن کر رہی تھیں۔ ایسے وقت دستک کی آواز سنائی دی۔ انجلی نے ایک ذرا کسمسا کر آنکھیں کھولیں، دیوار گیر گھڑی پر نظر پڑی، صبح کے سات بج رہے تھے۔ اس نے سر اٹھا کر پٹ نائیک کو دیکھا، وہ گہری نیند میں تھا۔ وہ

دھیرے سے سرک کر بیڈ سے اتر گئی۔ بالوں کو لپیٹتی ہوئی دروازے کے پاس آ کر بولی۔ ''کون ہے؟''

جواب میں پھر دستک سنائی دی۔ اس نے ایک ذرا سوچ کر دروازہ کھولا، نظروں کے عین سامنے لوکھنڈے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ''یہ نائٹی تم پر بہت جچ رہی ہے۔''

وہ فوراً ہی دروازے کی آڑ میں ہوتے ہوئے بولی۔ ''نائیک تو ابھی سو رہے ہیں۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''شاید تمہیں میری بے باکی بُری لگی ہے؟ مگر میں بھی کیا کروں، عادت سے مجبور ہوں، بُرے کو بُرا اور اچھے کو اچھا کہنے میں دیر نہیں کرتا۔''

وہ دروازہ بند کرنا چاہتی تھی۔ لوکھنڈے نے ایک پاؤں چوکھٹ پر رکھا دروازہ بند نہ ہو سکا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''حالِ دل تو پوری طرح سُن لیا کرو۔ ایسی بھی کیا بے رُخی ہے؟''

انجلی نے گھور کر اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ ''وہ۔ بات یہ ہے کہ نائیک کو اٹھا دو۔ نو گھنٹے کا سفر ہے۔ آٹھ بجے چلیں گے تو شام کو شملہ پہنچیں گے۔''

انجلی نے کہا۔ ''آپ جائیں۔ ہم ابھی تیار ہو کر آتے ہیں۔''

وہ چوکھٹ سے پاؤں ہٹاتے ہوئے بولا۔ ''میں بے چینی سے انتظار کروں گا......''

اس نے ایک جھٹکے سے دروازے کو بند کر دیا۔ وہاں سے سوچتی ہوئی بیڈ پر آئی۔ لوکھنڈے ذہن پر بوجھ لگ رہا تھا۔ وہ نائیک کے قریب بیٹھ کر اسے جگانے لگی، وہ کسمسا کر کروٹیں بدلنے لگا۔ اس کی طرف سے منہ پھیر کر پھر گہری نیند میں ڈوب گیا۔ وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ ''اٹھو بھئی! کیا سوتے رہو گے؟ شملہ نہیں جاؤ گے؟''

اس نے ایک آنکھ کھول کر گھڑی میں وقت دیکھا پھر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ناشتہ منگوایا......؟''

انجلی واش روم کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ ''اٹھتے ہی ناشتے کی فکر ہو گئی۔ تم آرڈر دو۔ میں منہ ہاتھ دھونے جا رہی ہوں۔''

ایسے ہی وقت دستک کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک جست لگا کر بیڈ سے اترا پھر

دروازے کے پاس آ کر بولا۔ ''کون ہے......؟''

باہر سے لوکھنڈے کی آواز سنائی دی۔ ''ابے کیا چھوکریوں کی طرح دروازے کے پیچھے سے بول رہا ہے؟ باہر نکل......!''

انجلی واش روم میں چلی گئی تھی۔ وہ دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ ''مجھے چھوکری کہہ رہا ہے اور خود دودھ والے کی طرح صبح صبح دروازے پر آ گیا ہے۔ بول! کیا بات ہے؟''

''تیرے فائدے کی بات کرنے آیا ہوں۔ بھابی کے ساتھ نیچے آ جا۔ میں نے لش پُش ناشتے کا آرڈر دیا ہے۔''

''چل۔ ہم ابھی تیار ہو کر آتے ہیں۔''

کچھ دیر بعد وہ دونوں نیچے آئے، لوکھنڈے ایک ٹیبل پر ان کا منتظر تھا۔ انہیں دیکھتے ہی ایک ویٹر سے بولا۔ ''ناشتہ لے آؤ۔''

اتنا کہہ کر وہ پٹ نائیک سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ انجلی اس کا بدلا ہوا رویہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ اسے سرسری سے انداز میں دیکھتا تھا پھر دوسری طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر سوچا۔ ''یہ میرے مزاج کو سمجھ گیا ہے، اسی لئے ریزرو ہو گیا ہے۔ اگر صبح میں اس کی حوصلہ افزائی کرتی اور اپنی تعریف سن کر خوشی سے کِھل جاتی تو یہ ضرور آگے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہتا۔''

ناشتے سے فارغ ہو کر پٹ نائیک نے کہا۔ ''میں ویٹر سے کہتا ہوں، وہ سامان گاڑی میں رکھ دے گا۔''

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے۔ انجلی انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر ریسٹورنٹ سے باہر آ گئی۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی دکھائی دے رہی تھی، مون سون کی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس نے ایک گہری سانس یوں لی جیسے وہاں کی صاف ستھری آب و ہوا کو اپنے اندر جذب کر رہی ہو۔ وہ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر ٹہلتی رہی۔

ویٹر گاڑیوں میں سامان رکھ چکے تھے۔ پٹ نائیک نے ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے پکارا۔ ''انجلی! آ جاؤ۔''

لوکھنڈے اپنی کار میں بیٹھ چکا تھا۔ونڈ اسکرین کے پار ٹیکسی کی طرف بڑھتی ہوئی انجلی کو دیکھ رہا تھا۔تھوڑی دیر بعد وہ دونوں گاڑیاں اسٹارٹ ہو کر مین روڈ پر آ گئیں۔لوکھنڈے اچانک ہی کار کی رفتار بڑھاتا ہوا، ٹیکسی کو اوورٹیک کرتا ہوا آگے چلا گیا۔

پٹ نائیک نے گیئر بدلتے ہوئے کہا۔"سالا! ہیرو بن رہا ہے۔ابھی بتاتا ہوں۔"

اس نے بھی ایک جھٹکے سے ٹیکسی کی رفتار بڑھا دی۔انجلی نے پریشان ہو کر کہا۔"کیا کر رہے ہو؟ یہ دہلی کی سڑک نہیں ہے۔پلیز۔آہستہ چلاؤ۔"

وہ آڑھے ٹیڑھے راستوں پر ٹیکسی کو ہوا کی طرح اڑائے لئے جا رہا تھا۔انجلی کو سہما ہوا دیکھ کر گنگنانے لگا۔"گاڑی کو چلانا بابو! ذرا ہلکے ہلکے ہلکے۔میرے دل کا جام نہ چھلکے......"

اس کا دل ڈوب رہا تھا، وہ آنکھیں بند کر کے بھگوان کو یاد کرنے لگی۔کچھ دیر بعد ہی پٹ نائیک کا فاتحانہ نعرہ سنائی دیا۔اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔وہ لوکھنڈے کی کار کو اوورٹیک کرتا ہوا اس سے آگے نکل گیا تھا لیکن ٹیکسی کی رفتار میں کمی نہیں آئی تھی۔انجلی التجا آمیز لہجے میں بولی۔"پلیز۔اب تو آہستہ چلاؤ۔میری جان نکلی جا رہی ہے۔"

"اور میں نے رفتار ہلکی کی تو وہ آگے نکل جائے گا۔"

"کیا شملہ تک کا سفر اسی طرح کٹے گا؟"

ایسے ہی وقت انجلی کو اپنے بائیں طرف سے لوکھنڈے کی آواز سنائی دی۔اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔وہ اپنی کار کو ٹیکسی کے بالکل قریب لاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔"داد دینی پڑتی ہے یار! تیرے ساتھ عورت ہے پھر بھی تو مجھے اوورٹیک کر گیا، اور میں اس سالی سگریٹ کی وجہ سے پیچھے رہ گیا۔"

اس نے جلتی ہوئی سگریٹ کو کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔"اب دیکھ تماشہ......"

وہ رفتار بڑھاتا ہوا آگے نکل جانا چاہتا تھا لیکن ٹیکسی کی رفتار بھی کم نہیں تھی۔دونوں گاڑیاں برابر برابر چل رہی تھیں، اور انجلی کی سانسیں رُک رہی تھیں۔پٹ نائیک نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔"جب عزت پر بن آتی ہے تو میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔"

وہ کبھی آنکھیں بند کر رہی تھی اور کبھی کن انکھیوں سے ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگتی تھی۔آس پاس کے مناظر تیزی سے یوں گزر رہے تھے جیسے زندگی کے رہے سہے لمحات چشمِ زدن میں گزر کر ختم ہونے والے ہوں، پھر اس کے بعد نہ وہ رہے گی، نہ مناظر رہیں گے۔

پتہ نہیں کتنی دیر بعد وہ تیز رفتار گاڑیاں ایک جھٹکے سے رُک گئیں۔انجلی نے ایکدم سے چونک کر آنکھیں کھولیں۔پٹ نائیک نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"وہ سامنے ہوٹل ہے، پیٹ پوجا سے فارغ ہو کر پھر آگے چلیں گے۔"

لوکھنڈے اپنی گاڑی سے اترتے ہوئے پٹ نائیک کو آنکھ مار کر بولا۔"میں دیکھ رہا تھا، بھابی تمام راستے سوتی ہوئی آئی ہیں۔"

اس بات پر دونوں ہنسنے لگے۔انجلی انہیں گھورتی ہوئی ہوٹل کی طرف بڑھ گئی۔وہ اس کے پیچھے پیچھے ہوٹل میں آ گئے۔

کھانے کے دوران وہ بُری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔یہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ کھانے کے بعد پھر ریس لگے گی۔وہ ایک دوسرے سے ہار ماننے والے نہیں تھے۔جب وہ کھانے سے فارغ ہو کر باہر اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف آئے تو انجلی نے بیٹھنے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔"گاڑی سیدھی طرح آرام سے چلاؤ گے تو بیٹھوں گی۔ورنہ تم دونوں جاؤ، میں بس سے آ جاؤں گی۔"

لوکھنڈے نے پٹ نائیک کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔"ارے نہیں بھابی...... جان! آپ نے منع کر دیا، اب ہم شرافت سے گاڑی چلائیں گے۔بے فکر ہو کر بیٹھ جائیں۔"

وہ تینوں اپنی گاڑیوں میں آ گئے۔پٹ نائیک نے ٹیکسی کو اسٹارٹ کر کے ایک جھٹکے سے آگے بڑھاتے ہوئے نعرہ لگایا۔"ہپ ہپ......"

لوکھنڈے نے اپنی کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔"ہُرے...... ہُرے۔"

دونوں گاڑیاں پھر اسی رفتار سے آگے بڑھنے لگیں۔ایک دوسرے کو اوورٹیک کرنے لگیں۔دونوں ہی ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔جب درمیان

میں حسین عورت ہوتو ناک اونچی رکھنے کی ضد شدّت اور دیوانگی اختیار کر لیتی ہے۔

☆======☆======☆

پریتی موبائل فون کو صوفے پر پٹختے ہوئے بڑبڑانے لگی۔ ''پتہ نہیں یہ لوکھنڈے کہاں غائب ہوگیا ہے؟ سالا بول کے گیا تھا، دہلی پہنچتے ہی میرے کو کال کرے گا۔ موبائل بھی آپھ کر دیا ہے۔ اب میں اس کی کھبر لوں تو کہاں سے لوں؟''

وہ بوتل کھول کر گلاس بھرنے لگی۔ پھر اسے منہ سے لگا کر پینے لگی' وہ ایک ایک گھونٹ پینے کی عادی نہیں تھی۔ اس نے ایک دو سانس میں ہی گلاس کو خالی کر دیا' پھر دوسرا گلاس بھر کے دو چار گھونٹ پیئے۔ اسے کچھ یاد آیا۔ وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ ''میری بدھی بھی گھاس چرنے کو گئی ہے۔ میرے کو اس کے گھر پر ٹرائی کرنا تھا۔''

وہ فون کے پاس آئی پھر اس کے نمبر پنچ کر کے رابطے کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد ہی ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو۔ کون......؟''

اس نے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''لوکھنڈے پہنچا کیا؟''

''تم کون ہو؟''

''جو پوچھا ہے، اس کا جواب دو۔ لوکھنڈے کہاں ہے؟ اس کو بولو' پریتی لائن مار رہی ہے۔''

''آخر تم ہو کون؟ اور میرے پتی کے بارے میں یہ کس انداز سے پوچھ رہی ہو؟''

وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ''پتی......؟ اچھا اچھا۔ تو تم بھاگیہ بول رہی ہو۔ لوکھنڈے کی پتنی......''

''میں تو پتنی ہوں لیکن تم کون ہو؟''

وہ سگریٹ سُلگا کر اس کا ایک کش لیتے ہوئے بولی۔ ''پتنی جیسی ہوں، پَر اُکھا شملہ میرے کو اس کی رکھیل بولتا ہے۔''

بھاگیہ نے تھوکنے کے انداز میں کہا۔ ''اچھا۔ تو ہے اُن کا نیا کھلونا؟ ویسے میرے پتی کو پٹڑیاں بدلنے کی عادت ہے۔ وہیں شملہ میں ہائے ہائے کر کے انہیں ڈھونڈ۔ وہ وہیں کسی دوسری پٹڑی پر ہوس کی ٹرین چلا رہے ہوں گے۔''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ پریتی نے چونک کر اپنے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کریڈل پر پٹختے ہوئے کہا۔ ''بکواس کرتی ہے سالی! وہ میرے بعد کسی دوسری کو ہاتھ بھی لگائے گا تو میں اس کا کھون پی جاؤں گی۔''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کاؤنٹر پر آئی، پھر گلاس اٹھا کر باقی شراب حلق سے اتارنے لگی۔ کچھ دیر بعد ہی آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا، اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں ملازمہ کو پکارا۔ ''چب...... چب...... چنبیلی ی ی ی اری کہاں مرگئی......؟''

چنبیلی کچن میں تھی، اس کا لہجہ سن کر سمجھ گئی کہ نشے میں ٹن ہونے والی کو اس کے بیڈ روم تک پہنچانا ہے۔ اس نے منہ بنا کر کہا۔ ''آتی ہوں''۔

چنبیلی ساڑھی کے پلو سے ہاتھ پونچھتی ہوئی وہاں آئی، پریتی جھومتی ہوئی اس کی طرف بڑھی پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ''بے۔ بیڈ۔ بیڈروم میں......''

وہ اسے سہارا دیتی ہوئی اس کے کمرے میں لے آئی۔ وہ بستر پر گرتے ہی ساری دنیا سے اور اپنے آپ سے بے خبر ہوگئی، گہری نیند میں ڈوب گئی۔

شام کے سات بجے گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ ملازمہ نے چونک کر زیرِ لب کہا۔ ''صاب جی......؟''

اس نے فوراً ہی لپک کر کاٹیج کا مین گیٹ کھولا۔ لوکھنڈے کی کار کے ساتھ ساتھ ایک ٹیکسی بھی اندر چلی آئی۔ اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا۔ ''پریتی کہاں ہے؟''

''وہ تو اپنے کمرے میں سو رہی ہیں۔''

پریتی کا نام سن کر پٹ نائیک نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ ''میں جانتا تھا، تو شملہ میں مکھیاں نہیں مار رہا ہوگا۔''

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''تو ٹھیک کہہ رہا ہے، اس بار واقعی میں نے مکھی نہیں ماری ہے۔ پوری کی پوری شیرنی پال لی ہے۔''

انجلی انہیں دیکھ رہی تھی۔ ان کی باتیں سمجھ میں آ بھی رہی تھیں اور نہیں بھی...... لوکھنڈے نے ملازمہ سے کہا۔ ''انہیں اوپر کمرے میں لے جاؤ، اور رات کا کھانا وہیں پہنچا

دو۔"

پٹ نائیک انجلی کو لے کر ملازمہ کے ساتھ جانے لگا۔لوکھنڈے انہیں بڑی حسرت سے دیکھ رہا تھا پھر سر جھٹکتا ہوا کاٹیج کے اندر چلا گیا۔

☆======☆======☆

آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔پریتی نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں ،کچھ دیر چھت کو تکتی رہی ،یاد کرتی رہی کہ اس وقت کہاں ہے؟ پھر اسے دھندلا دھندلا سا یاد آنے لگا،اس نے اچھی خاصی پی لی تھی۔نشے میں ایسی دُھت ہوئی تھی کہ چلنے کے قابل نہیں رہی تھی پھر ملازمہ کے سہارے اپنے بیڈروم تک آئی تھی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی ،دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیڈ سے اترنے لگی۔یہ سوال اب بھی دماغ میں کلبلا رہا تھا کہ لوکھنڈے دہلی نہیں پہنچا ہے تو پھر کہاں گیا ہے؟ اسے بھاگیہ کی باتیں یاد آنے لگیں۔"میرے پتی کو پٹڑیاں بدلنے کی عادت ہے......وہ وہیں کسی دوسری پٹڑی پر ہوس کی ٹرین چلا رہے ہوں گے۔"

اس نے بڑی حقارت سے ایک طرف تھوکتے ہوئے کہا۔"اُونہہ!وہ میرے ساتھ کہانیاں کرے گا تو میں اس کی کہانی بنادوں گی،اس کا کھُون پی جاؤں گی۔"

وہ زیرِلب بڑبڑاتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔کچھ دیر بعد فریش ہو کر باہر آئی تو لوکھنڈے کو بیڈ کے دوسرے سرے پر لیٹا ہوا دیکھ کر چونک گئی۔وہ گہری نیند میں تھا۔وہ تولئے کو ایک طرف پھینک کر اس کے پاس آتے ہوئے بولی۔"لوکھنڈے......؟"

پھر اس کا شانہ جھنجوڑ کر تیز آواز میں بولی۔"تُو تو دہلی گیا تھا؟ پھر ایک ہی دن میں واپس کیسے آگیا؟"

وہ بے زاری سے آنکھیں کھولتے ہوئے بولا۔"ارے کاہے کو چلا رہی ہے؟"

وہ اس کے برابر بیٹھ کر اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر بولی۔"جب دہلی نہیں جانا تھا تو مجھ سے جھوٹ بول کر کہاں گیا تھا؟"

وہ اٹھ کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔"ارے میں دہلی کے لئے ہی نکلا تھا پَر......"

لوکھنڈے نے بات ادھوری چھوڑ دی۔پریتی گہری نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔"پَر......؟"

وہ مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔"پَر۔منالی پہنچنے کے بعد یاد آیا کہ پرسوں دیوالی ہے اور یہ دیوالی مجھے اپنی جان کے ساتھ منانی چاہئے۔اسی لئے آدھے راستے سے واپس چلا آیا۔"

وہ بدستور اسے گہری نظروں سے ٹٹول رہی تھی۔پھر بولی۔"تو مجھے ٹوپی تو نہیں پہنا رہا ہے؟"

"میں تیری محبت میں واپس آیا ہوں اور تُو ہے کہ شک کر رہی ہے؟"

"تجھے اس بات کی کھبر دو دن پہلے سے تھی کہ پرسوں دیوالی ہے۔اور تُو نے مجھے مال بازار سے وہ ساڑھی دیوالی کے لئے ہی دلائی تھی۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔"ہاں۔تو میں یہی کہہ رہا ہوں۔تجھے اُس ساڑھی میں دیکھنے کی کھاطر چلا آیا ہوں۔"

پھر وہ اسے بازوؤں میں بھرتے ہوئے بولا۔"میں پیار سے آیا ہوں اور تو ہے کہ کسی انسپکٹر کی طرح سوال جواب کئے جا رہی ہے؟"

وہ اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔منہ بنا کر بولی۔"تم مردوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لیکن پریتی کو چکما دینا آسان بات نہیں ہے۔"

پھر وہ الگ ہوتے ہوئے بولی۔"مجھے تو دال میں کچھ کالا دکھائی دے رہا ہے۔"

لوکھنڈے ایک قہقہہ لگا کر بولا۔"تجھے تو تھانے میں ہونا چاہئے تھا۔"

پریتی چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔"یعنی میں ٹھیک بول رہی ہوں؟"

وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔پھر بولا۔"اچھا چھوڑ ان باتوں کو۔اوپر میرا ایک دوست اپنی پتنی کے ساتھ آیا ہوا ہے۔وہ دیوالی تک ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔"دوست......؟ کون سا دوست؟"

"دہلی میں رہتا ہے۔نئی نئی شادی ہوئی ہے ،دیوالی منانے شملہ آیا ہے اور ہاں۔اس کی پتنی بڑی سیدھی سادی ہے۔اس کے سامنے ذرا ڈھنگ سے رہنا۔"

وہ چڑ کر بولی۔ ''یہ گھر میرا ہے، میں یہاں جیسے بھی رہوں۔ اسے کیا فرق پڑے گا؟ مجھے ڈھنگ سکھانے کے بدلے اپنے رنگ ڈھنگ بدلو۔ میں جانتی ہوں' تم جرور اس کو بھوکی آنکھوں سے دیکھتے ہو گے۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''وہ میرے یار کی پتنی ہے۔ بھلا میں اس پر بُری نظر کیوں ڈالوں گا؟ اور پھر تیرے آنے کے بعد تو اپنی لائف میں کسی کی گنجائش ہی نہیں رہی ہے۔''

''گنجائش نکالے گا تو میں تیری آتما نکال لوں گی۔''

''تُو تو فوراً ہی مرنے مارنے پر تُل جاتی ہے۔''

''میرا نام پریتی ہے، میری دوستی سے کہیں زیادہ بُری میری دشمنی ہے۔''

وہ اسے کھینچ کر بازوؤں میں بھرتے ہوئے بولا۔ ''جانتا ہوں، میں نے شیرنی سے دل لگایا ہے۔''

دوسری صبح ناشتے کی ٹیبل پر وہ چاروں جمع ہوئے تو پریتی لاکھ سنبھلنے کے باوجود انجلی سے اپنا مخصوص لب ولہجہ نہ چھپا سکی۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد لوکھنڈے کو ایک طرف لے جاتے ہوئے بولی۔ ''بھئی مجھ سے یہ آپ جناب کی بولی نہیں بولی جاتی، سالا منہ ٹیڑھا ہو کر رہ گیا ہے۔ تُو انہیں کمپنی دے۔ میں شملہ کلب جا رہی ہوں۔ شام تک لوٹ آؤں گی۔''

وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا، وہ سمجھ رہا تھا انجلی کی خوبصورتی دیکھ کر وہ جل بھن جائے گی۔ سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہے گی تاکہ اسے انجلی پر ڈورے ڈالنے کا موقع نہ ملے۔ پریتی بولی۔ ''میں تیری آنکھوں کو سمجھ رہی ہوں۔ مگر تیرے دوست کو دیکھ کر دل کہتا ہے' ایسے جی دار کے منہ کا نوالہ چھیننا تیرے بس کی بات نہیں ہے۔ میں نشچنت ہو کر جا رہی ہوں۔''

اس نے بات نہیں کہی تھی، جوتا دے مارا تھا۔ وہ تلملا کر رہ گیا۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے دوسری طرف انجلی نے محتاط لہجے میں پٹ نائیک سے کہا۔ ''مجھے یہاں کا ماحول ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔ تمہارا دوست پریتی کو اپنی کزن کہہ رہا ہے، مگر مجھے تو کوئی اور معاملہ دکھائی دے رہا ہے۔''

وہ بولا۔ ''ہمیں ان کے معاملے سے کیا لینا دینا؟ وہ اپنی دنیا میں مست رہیں۔ ہم اپنی دنیا میں مست رہیں گے۔''

انجلی سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی، پھر بولی۔ ''کل دیوالی ہے، ہمیں مارکیٹ جانا ہے۔ علاقہ دیکھنا ہے۔ ان سے پوچھو، خوبصورت ساڑھیاں کہاں ملتی ہیں؟''

پریتی نے ان کے پاس آتے ہوئے کہا۔ ''سوری! آپ لوگوں کو چھوڑ کر جانا تو نہیں چاہتی، پر کیا کروں؟ اکھا دوستوں کے ساتھ چنڈال چوکڑی جمنے والی ہے۔''

پھر وہ گڑبڑا کر پٹ نائیک سے بولی۔ ''وہ۔ چنڈال چوکڑی کو کیا بولتے ہیں؟''

پٹ نائیک نے جھینپ کر انجلی کو دیکھا' پھر پریتی سے بولا۔ ''اسے گٹ ٹو گیدر پارٹی کہتے ہیں۔''

انجلی نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ ہماری وجہ سے اپنی پارٹی مِس نہ کریں۔ ویسے بھی ہم یہاں کی سیر کرنے باہر جا رہے ہیں۔''

وہ وہاں سے مٹکتی ہوئی چلی گئی۔ پٹ نائیک نے پوچھا۔ ''یار! یہاں سب سے جگاس (زبردست) مارکیٹ کون سی ہے؟''

وہ بولا۔ ''کیا خریدنا ہے؟''

''تیری بھابی دیوالی کے لئے ساڑھیاں خریدیں گی۔''

لوکھنڈے بولا۔ ''پھر تو مال چلو۔ وہاں ساڑھیوں کی ایک سے ایک ورائٹی ملے گی لیکن ایک پرابلم ہے، یہاں نئے آنے والوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جاتا ہے۔ میرے ساتھ چلو گے تو کوئی تمہیں جھانسا نہیں دے سکے گا۔''

وہ تینوں باہر کاٹیج کے احاطے میں آئے۔ پٹ نائیک اپنی ٹیکسی کی طرف جانے لگا۔ لوکھنڈے نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ''اِس میں نہیں، میری کار میں چلو۔''

انجلی نے ناگواری سے سوچا۔ ''کیا مصیبت ہے؟ یہ تو ہر جگہ کباب میں ہڈی بن رہا ہے۔''

لوکھنڈے انہیں اپنی گاڑی میں بٹھا کر مال پہنچ گیا۔ انجلی وہاں کی عمارتیں دیکھنے لگی۔ مال برطانوی طرز کا ایک خوبصورت علاقہ تھا۔ سرسری طور پر دیکھنے سے ہی یہ بات

سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہاں شملہ کی مہنگی دکانیں ہیں۔ ہوٹل، کلب اور تفریحی مقامات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ صرف خوبصورت ہی نہیں، ایک مہنگا علاقہ بھی ہے۔ وہ تینوں گاڑی سے اتر کر پیدل چلنے لگے۔ لوکھنڈے نے اسے مخصوص انداز میں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ''بھابی...... جان! آپ نے کرائسٹ چرچ کا نام تو سنا ہوگا؟''

انجلی نے تائید میں سر ہلایا۔ وہ مال کی بلندی پر بنی ہوئی زرد رنگ کی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ بلند و بالا عمارت دیکھ رہی ہیں، وہی کرائسٹ چرچ ہے۔ شاپنگ کے بعد وہاں چلیں گے۔''

پٹ نائیک نے اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں بھگوان کی پوجا کرنے کی فرصت نہیں ملتی ہے اور تو فرنگیوں کی عبادت گاہ میں لے جا رہا ہے۔''

''میں تجھے چرچ میں نہیں لے جا رہا ہوں، اس کے ساتھ ہی شملہ کی ایک لش پش (بہترین) جگہ ہے، اسکینڈل پوائنٹ کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں سے شملہ کی پہاڑیاں' وادیاں اور دور تک کے نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ایسے ایسے منظر دکھائی دیتے ہیں کہ واپس آنے کو جی نہیں کرتا ہے۔''

پھر وہ پٹ نائیک کی طرف جھک کر سرگوشی میں بولا۔ ''اسے ایک طرح کا منی امریکہ بھی کہا جاتا ہے۔ باہر کے کھلے لوگ کھلا رومانس کرتے ہیں۔ قسم سے یار! دیکھنے والوں کی واٹ لگ جاتی ہے۔''

وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا پھر بھی اس کی باتیں انجلی کی سمجھ میں آ رہی تھیں۔ اس نے ناگواری سے اسے دیکھا پھر کہا۔ ''شاپنگ کے بعد مجھے ہنومان جی کے مندر جانا ہے۔ وہ کہاں ہے؟''

لوکھنڈے بولا۔ ''وہ تو جاکھو ہل میں ہے۔ چلو، پہلے وہاں چلیں گے پھر بعد میں یہاں آ جائیں گے۔''

پٹ نائیک نے کہا۔ ''ابے! پہلے شاپنگ تو کر لینے دے۔''

وہ انہیں ایک ساڑھی ہاؤس میں لے گیا۔ دکان کی سجاوٹ وہاں کا اسٹینڈرڈ بتا رہی تھی۔ وہ ساڑھیاں پسند کرنے لگی، لیکن دل میں یہ اندیشہ تھا کہ قیمت اچھی خاصی ہوگی۔

اس نے پوری سلیکشن دیکھنے کے بعد ایک ساڑھی پسند کی۔

لوکھنڈے نے کہا۔ ''ارے۔ یہ کیا، صرف ایک ساڑھی پسند کی ہے؟ اور دیکھیں ناں......''

وہ گھبرا رہی تھی، زیادہ ساڑھیاں پسند کرنے سے کترا رہی تھی۔ اگر مہنگی ہوتی تو ایک ہی کافی تھی۔ پٹ نائیک بھی اصرار کرنے لگا۔ وہ بولی۔ ''پہلے ایک کی قیمت تو معلوم کر لیں۔''

لوکھنڈے نے کہا۔ ''ارے بھابی...... جان! میں اسی دکان سے شاپنگ کرتا ہوں۔ قیمت مناسب ہوگی، آپ ساڑھیاں پسند کریں۔''

وہ جبراً ایک اور ساڑھی پسند کرنے کے بعد بولی۔ ''بس۔ اب فضول خرچی نہیں ہو گی۔ ایک ہی کافی تھی، آپ دونوں کے اصرار پر یہ دوسری لے لی ہے۔ اب کاؤنٹر پر چلیں اور بل بنوائیں۔''

وہ ان کے ساتھ چلتی ہوئی کاؤنٹر پر آئی۔ پھر کلرک سے بل لے کر پڑھنے لگی۔ اسے پڑھتے ہی اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے پلٹ کر اپنے پتی کو دیکھا۔ پھر وہ بل اس کی طرف بڑھا دیا۔ لوکھنڈے چور نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر انہیں اس مہنگی دکان میں لایا تھا۔ اس نے انجلی کو زبردستی دو ساڑھیاں پسند کرائی تھیں۔

پٹ نائیک نے اس کے پاس آ کر کہا۔ ''مروا دیا یار! گیارہ ہزار کا بل بن گیا ہے۔''

انجلی نے فوراً ہی پیکٹ سے ایک ساڑھی نکالتے ہوئے کہا۔ ''مجھے نہیں لینی دو ساڑھیاں۔ ایک ہی کافی ہے۔''

لوکھنڈے نے فوراً ہی اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا، ہاتھ کی گرفت خاصی مضبوط تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہاتھ زبانِ بے زبانی سے کہہ رہا ہے۔ ''بچ کر کہاں جائے گی؟''

پٹ نائیک بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ لوکھنڈے بولا۔ ''نہیں بھابی...... جان! دو پسند کی ہیں تو دو ہی خریدی جائیں گی۔''

اس نے پریشان ہوکر پٹ نائیک کو دیکھا۔ پھر ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ ''تم انہیں سمجھاؤ، یہ بل ہمارے بجٹ سے باہر ہے۔''

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لوکھنڈے نے کاؤنٹر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''ساڑھی کو پیکٹ میں رکھیں۔ میں بل پے کرکے آتا ہوں۔''

وہ چلا گیا۔ انجلی نے جھنجلا کر کہا۔ ''تم کیا بُت بنے کھڑے ہو؟ اپنے دوست کو منع کرو، وہ ہم پر اتنی مہربانیاں نہ کرے۔''

نائیک مسکرا کر بولا۔ ''آنے والی پتنی، آنے والی لکشمی اور آنے والی ساڑھی کو کبھی چھوڑنا نہیں چاہئے۔ جب وہ اپنی خوشی سے کچھ دے رہا ہے تو میں کیوں اس کا ہاتھ روکوں؟''

وہ بل ادا کرکے ان کے پاس آتے ہوئے بولا۔ ''بالکل صحیح کہا میرے یار نے اور ویسے بھی میں نے بل ادا کرکے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ یہ میری طرف سے شادی کا تحفہ ہے۔''

پٹ نائیک نے انجلی سے کہا۔ ''بس۔ اب تو تمہیں اطمینان ہوگیا؟''

اس نے ایسا جواز پیش کیا تھا کہ وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ فاتحانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''ہنومان جی کے مندر چلیں یا ابھی اور شاپنگ کرنی ہے؟''

وہ فوراً ہی انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ''نہیں۔ مجھے کچھ نہیں خریدنا۔ مندر چلیں۔''

پٹ نائیک نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ''ارے کچھ خریدنا ہو تو خرید لو، ریزرو بینک آف انڈیا اپنے ساتھ ہے۔''

لوکھنڈے نے بڑے میٹھے انداز سے اسے دیکھا۔ وہ اس سے کترا کر باہر جاتے ہوئے بولی۔ ''چلیں دیر ہورہی ہے۔''

کچھ دیر بعد ہی وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ کر ہنومان جی کے مندر پہنچ گئے۔ بہت سے بوڑھے پنڈت پیلے رنگ کے لباس پہنے ہوئے مندر کے صدر دروازے پر کھڑے تھے اور وہاں سے گزرنے والوں کو مندر میں آنے کی دعوت دے رہے تھے۔

وہ تینوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے۔ انجلی پوجا کے لئے مندر میں چلی گئی۔ پٹ

نائیک لوکھنڈے کے ساتھ مندر کی اونچائی سے آس پاس کا علاقہ دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا خوبصورتی ہے؟ یہاں آکر تو آنکھیں ہری بھری ہوجاتی ہیں۔''

لوکھنڈے شوخی سے بولا۔ ''یہاں آکر آنکھیں ہری بھری ہوجاتی ہیں اور شادی کے بعد گود ہری ہوجاتی ہے۔ بھابی کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ ہے کیا......؟''

نائیک انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ابے نہیں یار! ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر اس طرف دیکھا جہاں سے پوجا سے فارغ ہونے والے باہر آرہے تھے۔ کچھ دیر بعد ہی وہ دونوں ہاتھوں میں پوجا کا پرساد لئے ان کی طرف آتے ہوئے بولی۔ ''اگر تھوڑی سی پوجا کرلیتے تو کیا بگڑ جاتا؟''

نائیک لوکھنڈے کو آنکھ مارتے ہوئے بولا۔ ''ہمارا تو کچھ نہ بگڑتا۔ ہاں، ہمارے اندر جانے سے بھگوان ضرور پریشان ہوجاتے۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔ وہ انہیں گھور رہی تھی، پھر سیدھے ہاتھ میں تھوڑا سا پرساد لے کر پٹ نائیک کے منہ میں ڈالتے ہوئے بولی۔ ''دھرم کرم کو کچھ تو سمجھا کرو۔''

''سمجھتا ہوں، تب ہی تو اندر نہیں گیا۔''

لوکھنڈے نے اسے متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بھابی...... جان! میرا پرساد......؟''

اس نے ایک ذرا جھجک کر اسے دیکھا پھر پرساد لے کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے منہ کھول دیا تھا، اس نے جیسے ہی پرساد اس کے منہ میں ڈالا اسی وقت اس نے منہ بند کردیا۔ انجلی کے حلق سے ایک سسکاری نکلی۔ دو انگلیاں اس کے دانتوں تلے آگئی تھیں۔

وہ فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ کر اسے گھورنے لگی۔ وہ جلدی سے بولا۔ ''شما کرنا بھابی...... جان! یہ ایک پرانا بدلہ تھا جسے میں نے چکایا ہے۔''

پھر اس نے پٹ نائیک کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''تجھے یاد ہے، تُو نے میری دھرم پتنی بھاگیہ کے ہاتھ پر بھی اسی طرح کاٹا تھا۔ آج بدلہ پورا ہوگیا۔''

وہ دونوں ہنستے بولتے مندر کی سیڑھیاں اترنے لگے۔ وہ انہیں سوچتی ہوئی نظروں

سے دیکھ رہی تھی۔ ان کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اترتی جا رہی تھی۔ لوکھنڈے نے کہا۔''اسکینڈل پوائنٹ چلیں؟''

وہ اس پوائنٹ کی گندی تعریفیں سن چکی تھی، منہ بنا کر بولی۔''کیا یہاں اور کوئی خوبصورت جگہ نہیں ہے؟''

وہ بولا۔''کیوں نہیں ہے؟ سمر ہل چلتے ہیں، وہاں سے قریب ہی چاڈوک آبشار ہے۔ دونوں جگہیں دیکھ لیں گے۔''

وہ انہیں سمر ہل لے آیا۔ انجلی وہاں کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ لوکھنڈے نے کہا۔''یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ چاڈوک آبشار دیکھیں گی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔''

پٹ نائیک نے کہا۔''فی الحال تو بھوک کے مارے آنکھیں پھٹی جا رہی ہیں۔''

انجلی نے کہا۔''پہلے آبشار دیکھ لیں، پھر کھانا کھائیں گے۔''

وہ تینوں اونچے نیچے راستوں پر چلتے ہوئے چاڈوک آبشار تک پہنچ گئے۔ وہ بلندی سے گہری پستی میں گرتی ہوئی، شور مچاتی ہوئی آبشار بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی، دور دور تک چھینٹے اڑا رہی تھی۔ پٹ نائیک انجلی کا ہاتھ تھام کر بولا۔''آؤ۔ آگے چلتے ہیں۔''

وہ انکار کرتے ہوئے بولی۔''نا بابا۔ پانی بہت ٹھنڈا ہے۔ کل دیوالی ہے۔ کیا بیمار پڑنے کا ارادہ ہے؟''

وہ اسے کھینچتے ہوئے بولا۔''ارے کچھ نہیں ہوگا۔''

لوکھنڈے دور ایک پتھر پر بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ آبشار کے قریب جانا نہیں چاہتی تھی لیکن نائیک اسے کھینچتا ہوا وہاں تک لے گیا تھا۔ پانی کی اڑتی ہوئی ننھی ننھی سی بوندیں ان دونوں کو بھگو رہی تھیں۔ وہ دیکھ رہا تھا، وہ جتنا بھیگ رہی تھی، اُتنا ہی نکھر رہی تھی اور اس کے نکھرنے سے وہ بکھر رہا تھا۔ بڑی حسرت سے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ایسے ہی وقت انجلی کی چیخ سنائی دی۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ اس کا پاؤں پھسل گیا تھا پٹ نائیک اسے پانی سے باہر نکال رہا تھا۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر ان کے پاس گیا پھر اس کی مدد کرنے کے بہانے انجلی کو سہارا دینے لگا۔ اس کے ہاتھ سہارا دینے کے بجائے ادھر

سے ادھر ایسے بھٹک رہے تھے، جیسے کسی مسافر کو کھوئی ہوئی منزل کی تلاش ہو۔ بھیگنے کے باوجود بدن کی حرارت محسوس ہو رہی تھی۔ جوانی کی منہ زور گرمائش گیلی ساڑھی سے بغاوت کر رہی تھی۔ وہ اسے سہارا دے کر ایک ایسی بینچ پر لے آئے جہاں دھوپ پڑ رہی تھی۔ ٹھنڈے پانی میں گرنے سے اس کی حالت خراب ہوگئی تھی۔ وہ سردی سے کانپ رہی تھی۔ دھوپ میں آ کر ذرا آرام محسوس کرنے لگی۔

لوکھنڈے فوراً ہی لکڑیاں جمع کر کے آگ جلانے لگا۔ پھر بولا۔''گیلے کپڑوں میں زیادہ دیر رہیں گی تو طبیعت خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ میں ابھی ان نئی ساڑھیوں میں سے ایک ساڑھی لے کر آتا ہوں۔''

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ محبت جتانے کا قدرتی طور پر بڑا ڈرامائی موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ وہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی ایک ساڑھی لے آیا۔ پٹ نائیک انجلی کو ایک جھاڑی کے پیچھے لے گیا۔ لوکھنڈے اس جھاڑی کو ایسے دیکھنے لگا جیسے اس پار اسے اپنے ہاتھوں سے ساڑھی پہنا رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ نمودار ہوئے تو انجلی کی ساڑھی بدل چکی تھی۔

اس نے ایک''ہائے'' کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ ساڑھی کا آنچل درست کرتی ہوئی اس بینچ پر آ گئی، جلتی ہوئی آگ سے ہلکی ہلکی تپش مل رہی تھی۔ وہ گیلے بالوں کو دائیں بائیں جھٹک کر سکھانے لگی۔ پٹ نائیک بھیگی ہوئی ساڑھی کو دھوپ میں پھیلا رہا تھا۔ لوکھنڈے نے آگ کو بھڑکاتے ہوئے کہا۔''شاید تمہیں کسی کی نظر لگ گئی؟''

اس نے پہلی بار اسے تم سے مخاطب کیا تھا۔ وہ ایک ذرا ٹھٹک گئی پھر بولی۔''بھلا مجھے کس کی نظر لگے گی؟''

پٹ نائیک ساڑھی پھیلا کر ان کے پاس چلا آیا۔ لوکھنڈے نے فوراً ہی بات گھماتے ہوئے کہا۔''اپنے یار کی اور کس کی......؟ یہ بڑا عجیب بندہ ہے، اپنی پتنی کو بھی ایسے دیکھتا ہے جیسے کسی اور کی پتنی کو دیکھ رہا ہو۔''

انجلی نے مسکرا کر پٹ نائیک کو دیکھا۔ وہ بولا۔''اور تو کسی کی پتنی کو ایسے دیکھتا ہے، جیسے اپنی پتنی کو دیکھ رہا ہو۔''

اس کی بات سن کر انجلی کو بھی ہنسی آ گئی۔ وہ تینوں کچھ دیر تک وہاں وقت گزارتے رہے، پھر دوپہر کے کھانے کے لئے ایک ہوٹل میں آ گئے۔ لوکھنڈے نے کھانے کے دوران پوچھا۔ ''یہاں سے کہاں چلنا ہے؟''

وہ بولی۔ ''گھر جائیں گے۔''

لوکھنڈے بولا۔ ''ہائیں گھر......؟ ابھی تو پورا شملہ پڑا ہے۔ نائیک کہہ رہا تھا، دیوالی کے دوسرے دن تم دونوں چلے جاؤ گے۔ یعنی گھومنے پھرنے کے لئے صرف آج کا دن ہے۔''

انجلی نے اپنے پتی کی طرف دیکھا۔ وہ بولا۔ ''یار! پروگرام تو یہی تھا پَر اب دل کہتا ہے آیا ہوا ہوں تو انجلی کو پورا شملہ دکھا کر ہی جاؤں۔ میں نے سوچا ہے، دیوالی کے بعد کم سے کم دو دن تو اور یہاں بتائیں گے۔''

وہ خوش ہو کر جلدی سے بولا۔ ''یہ تو بہت اچھا فیصلہ کیا ہے تُو نے۔ کیوں بھابی...! جان......؟''

وہ نائیک کو دیکھ رہی تھی، مزید رہنے کے سلسلے میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن لوکھنڈے کی موجودگی میں کترا رہی تھی۔ جب وہ بل پے کرنے کے لئے کاؤنٹر پر گیا تو وہ جلدی سے بولی۔ ''دیوالی کے بعد ہم یہاں رہیں گے لیکن اس کے گھر میں نہیں، کسی ہوٹل میں کمرہ لیں گے۔''

نائیک اس کی طرف جھک کر بولا۔ ''تم عورتیں ہمیشہ نقصان اٹھانے والی باتیں سوچتی ہو۔ ارے جب مفت میں ایک اچھی جگہ رہنے کو مل رہی ہے تو کیوں خواہ مخواہ ہوٹل کا کرایہ بھگتیں؟ تم چپ رہو، مجھے جو مناسب لگے گا میں وہی کروں گا۔''

انجلی نے الجھ کر اسے دیکھا۔ یہ جانتی تھی کہ اس نے خاموش رہنے کو کہا ہے تو مزید بحث بیکار ہو گی۔ وہ تینوں گھر آ گئے، دیوالی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ رات کو بھی وہ دبے دبے لفظوں میں وہاں رہنے سے انکار کرتی رہی۔ نائیک نے جھنجھلا کر کہا۔ ''اس بات کو یہیں چھوڑ دو۔ دیوالی کے بعد دیکھا جائے گا۔''

دوسری صبح اس نے نائیک کے کان کے قریب اپنے کنگن کھنکاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے

مندر جانا ہے، پُوجا کے لئے دیر ہو رہی ہے۔ پلیز، اب تو اٹھ جاؤ۔''

اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔ کچھ نیند کا خمار تھا، کچھ اس کے جلوے کا سحر تھا۔ وہ خوبصورت ساڑھی اور گہنوں میں کوئی اپسرا دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ انجلی دھیرے سے بولی۔ ''ہماری پہلی دیوالی کی صبح ہو چکی ہے۔ کیا وِش نہیں کرو گے؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''ہائے ظالم! صبح صبح جلووں کے تیر چلا رہی ہے۔ اس وقت اپنی ایشوریا سے دو ہاتھ آگے نکلتی دکھائی دے رہی ہے۔ جی کرتا ہے، بس دیکھتا ہی رہوں۔''

انجلی منہ بنا کر بولی۔ ''مذاق کر رہے ہو؟''

وہ اسے کھینچ کر اپنے زانو پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ ''تُو جانتی ہے، اپنا تعریف کرنے کا انداز ذرا ہٹ کے ہے۔ پَر ماں قسم! آج تجھے دیکھ کر یقین نہیں آ رہا ہے کہ تُو میری پتنی ہے۔ ایسی دھانسو لگ رہی ہے کہ بس کیا بتاؤں؟''

پھر وہ اسے جذبوں کی بولی میں بتانے لگا کہ وہ کیسی لگ رہی ہے؟ کچھ دیر بعد وہ اس سے الگ ہو کر اپنا حلیہ درست کرتے ہوئے بولی۔ ''جلدی سے اٹھ کر تیار ہو جاؤ۔ مندر جانا ہے، دیر ہو رہی ہے۔''

وہ دونوں تیار ہو کر نیچے آئے تو لوکھنڈے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ انجلی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''پریتی کہاں ہے؟ کیا وہ مندر نہیں جائے گی؟''

وہ منہ بنا کر بولا۔ ''ساری ہندوستانی لڑکیاں آپ جیسی نہیں ہوتیں۔ وہ ان لڑکیوں میں سے ہے جو پوجا پاٹ کو صرف گھر کی بزرگ خواتین کے لئے ضروری سمجھتی ہیں۔ اس نے تو گیتا بھی نہیں پڑھی ہے۔''

انجلی کو یہ سن کر دکھ ہوا۔ نائیک نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ابے تو یہ بول نا کہ وہ ہم جیسی ہے۔''

لوکھنڈے گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ کہا جا سکتا ہے۔''

انجلی نائیک کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''تم سب ایک ہی تھالی کے

بینگن ہو۔''

نائیک نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔''بینگن تو ہیں' اسی لئے تھالی میں ادھر سے ادھر ہوتے رہتے ہیں۔''

وہ دونوں مرد تھے، اس بات پر قہقہے لگانے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ ہنومان جی کے مندر پہنچ گئے۔ وہاں اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ وہ تینوں راستہ بناتے ہوئے اندر آئے۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کر کے ہنومان کی مورتی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ انجلی کے دل سے دعا نکل رہی تھی کہ شادی کی یہ پہلی دیوالی ایسی اچھی اور یادگار گزرے کہ وہ اسے کبھی بھلا نہ پائے۔

اس نے بڑی محبت سے نائیک کے بارے میں سوچا پھر دل ہی دل میں کہا۔''ہے بجرنگ بلی! مجھے اتنی شکتی دو کہ میں کبھی ان کے کسی کام آسکوں۔ انہوں نے ایسے وقت مجھے اپنایا تھا جب میں بھنور میں تھی۔ بھگوان نہ کرے کہ یہ کبھی کسی مصیبت میں گرفتار ہوں، پَر مصیبتیں تو جیون کا حصہ ہوتی ہیں۔ میری بس ایک یہی پرارتھنا ہے کہ ان کی مصیبتوں میں ہی ان کے کام آتی رہوں۔''

دوسری طرف نائیک آنکھیں بند کئے دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔''ہے بجرنگ بلی! شما کرنا۔ مصروفیت بہت ہوتی ہے اسی لئے سال میں ایک بار تیرے سامنے آتا ہوں اور ہمیشہ تجھ سے ایک ہی بنتی کرتا ہوں کہ دیوالی کے جوئے میں میرا دیوالیہ نہ نکالنا۔ اس بار بھی دَیا کرنا۔ جے ہو بجرنگ بلی کی......''

لوکھنڈے نے چپکے سے ایک آنکھ کھول کر نائیک کے برابر کھڑی ہوئی انجلی کو دیکھا۔ پھر آنکھ بند کر کے دل ہی دل میں کہا۔''ہے بجرنگ بلی! یہ بھی کوئی نصیب ہے اپنا؟ جسے کار میں ہونا چاہئے، وہ ٹیکسی میں ہے اور جسے ٹیکسی میں ہونا چاہئے اسے تُو نے میرے متھے مار دیا ہے۔ کچھ ایسا کر کہ یہاں کا مال وہاں اور وہاں کا مال یہاں ہو جائے۔ ہنومان کی جے ہو......''

کس کا مال کہاں ہونے والا تھا؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

☆======☆======☆

رات کے بارہ بج چکے تھے۔ شملہ کلب میں امیر کبیر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ وہاں ایک رات میں لاکھوں روپے کا جوا کھیلا جاتا ہے۔ لوکھنڈے لکھ پتی تھا۔ پٹ نائیک کبھی کبھی ہیرا پھیری سے لکھ پتی بننے کے مرحلے تک پہنچتا تھا۔ پھر اپنے کرتوت سے کنگال ہو جاتا تھا۔ دیوالی کی رات کیا امیر کیا غریب، سب ہی شملہ کلب آتے ہیں۔ جو غریب ہوتے ہیں وہ بھی کم سے کم دس بیس ہزار جیب میں رکھتے ہیں۔ یہ امید ہوتی ہے کہ کسی رئیس کے ساتھ دو چار بازی میں پچیس کے پچاس ہزار اور پچاس ہزار کے ایک لاکھ بھی بن سکتے ہیں۔

وہاں سب ہی دیوالی منا رہے تھے۔ بازیوں پر بازیاں لگائی جا رہی تھیں۔ ہر طرف شراب کی بُو اور سگریٹ کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔ سارا ماحول دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اُس دھند میں پٹ نائیک اور لوکھنڈے ایک میز پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ شراب کے نشے میں جھوم رہے تھے۔ لوکھنڈے نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔''کیا بات ہے! بڑی بازیاں لے جا رہا ہے؟''

وہ فاتحانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔''لکشمی دیوی مہربان ہے۔''

وہ پیگ خالی کر کے گلاس کو میز پر پٹختے ہوئے بولا۔''چل! پتے بانٹ۔ اس بار لکشمی دیوی مجھ پر مہربان ہوگی۔''

پتے پھینٹے گئے، پھر بانٹے گئے۔ پٹ نائیک جب کلب میں آیا تھا تو اس کی جیب میں بیس ہزار تھے اور اب وہ لگا تار تین بازیاں جیت کر بیس ہزار کو ساٹھ ہزار میں بدل چکا تھا۔ قسمت کی دیوی مہربان تھی اس لئے لکشمی دیوی بڑے مزے سے اس کی جیب میں آتی جا رہی تھی۔ جیت کا نشہ شراب کے نشے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ وہ اس نشے میں دُھت ہو کر کھیلنے لگا۔

ساٹھ ہزار کے ایک لاکھ ہونے والے تھے لیکن جب لوکھنڈے نے آخری تین پتے شو کئے تو اس کا دماغ گھوم گیا۔ وہ تین اکے میز پر پٹختے ہوئے بولا۔''کیوں پیارے! سچ کہتے ہیں، جوا کسی کا نہ ہوا۔''

وہ مسلسل جیتتا آ رہا تھا۔ اچانک ہی ہار کا منہ دیکھ کر جھنجھلا گیا۔ ایک جھٹکے سے آنے

والی لکشمی ایک ہی جھٹکے میں ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔ وہ ایک بوتل اٹھا کر غٹا غٹ پینے لگا۔ سینے میں آگ اتر رہی تھی اور ہار کی آگ کو مزید بھڑکا رہی تھی۔ اس نے پتے سمیٹ کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''پھینٹی کر۔''

پھر ہزار ہزار کے دس نوٹ نکال کر میز پر رکھتے ہوئے بولا ''میں ایکدم سے دس ہزار کی بازی لگاؤں گا۔ بول منظور ہے......؟''

لوکھنڈے مسکراتے ہوئے بولا۔ ''مجھے کیا بھگوڑا سمجھتا ہے؟ دس کیا لگاتا ہے، بیس لگا۔''

نائیک نے سوچا۔ ''بیس لگاؤں گا تو ایک جھٹکے میں چالیس ہزار بن جائیں گے۔''

اس نے باقی دس ہزار بھی میز پر رکھ دیئے۔ وہ پتے پھینٹنے لگا۔ نائیک نے ایک ویٹر کو آواز دیتے ہوئے کہا۔ ''ابے او! دارو ختم ہوگئی ہے۔ پھٹا پھٹ لے کر آ......''

کھیل ایک بار پھر شروع ہوگیا۔ پتے پھینٹے گئے، بانٹے گئے۔ اس بار کچھ بڑے پتے نائیک کے پاس آئے۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے فاتحانہ انداز میں لوکھنڈے کو دیکھا پھر مستی میں جھوم کر کہا۔ ''شو کرو۔''

وہ شراب کا ایک گھونٹ لے کر بولا ''شو کے الگ بیس ہزار ہوں گے۔ یہ تو تُو جانتا ہی ہے۔ میں تو ابھی اور چالیس چلوں گا۔''

''تُو جانتا ہے، میری جیب خالی ہو چکی ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میری صرف بیس ہزار کی چال ہوگی۔''

''تیرا جگری یار یہاں بیٹھا ہوا ہے اور تُو کہتا ہے، تیری جیب خالی ہے؟ دھتکار ہے ایسی یاری پر۔ بول کتنی رقم چاہئے؟''

اس نے اپنے بیگ میں سے ہزار ہزار کے نوٹ نکال کر اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ پچاس ہزار ہیں۔ ابھی جیتنے کے بعد میری رقم واپس کر دینا۔''

ابھی جیتنے کی بات ایسی ہوتی ہے کہ ہر جواری لالچ میں آ کر کھیلتا ہی چلا جاتا ہے۔ جوئے میں جیت کسی کی نہیں ہوتی۔ یہ جیت ایک طوائف کی طرح کبھی اِس کی ہو جاتی ہے، کبھی اُس کی ہو جاتی ہے۔ پٹ نائیک اس طوائف کو منانے کے لئے بازی پر بازیاں

کھیلتا چلا گیا اور اگلی تین بازیوں میں ایک لاکھ چالیس ہزار کا قرضدار ہوگیا۔

نشے کی حالت میں جیت لینے کا جنون سوار ہوگیا تھا۔ اس نے جیب سے ٹیکسی کی چابی نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ لے! میں اپنی مادھوری کو داؤ پر لگا رہا ہوں۔''

لوکھنڈے نے بڑی مکاری سے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ ''ٹیکسی کے دو لاکھ سے زیادہ نہیں دے سکوں گا۔ میرے ایک لاکھ چالیس ہزار تجھ پر چڑھے ہیں۔ باقی ساٹھ ہزار ابھی لے لے۔''

لوکھنڈے نے کوئی جواب سنے بغیر اس کے آگے ساٹھ ہزار روپے رکھ دیئے۔ کسی کنگال کے سامنے ساٹھ روپے بھی آئیں تو جیسے خزانہ آجاتا ہے اور وہاں تو ساٹھ ہزار آرہے تھے۔

بازی پھر شروع ہوگئی۔ لوکھنڈے نے بڑی محبت سے اس کا گلاس بھر دیا۔ اپنے گلاس میں شراب ایک گھونٹ ڈالی، پانی زیادہ ملایا۔ جب تک ملاوٹ نہ ہو تب تک بے ایمانی نہیں چلتی۔ وہ پتوں میں بھی ملاوٹ کر رہا تھا۔ نائیک کی نظریں بچا کر پتے لگا رہا تھا۔ ایک گھنٹے کے اندر ہی نائیک ایک لاکھ کا قرضدار ہوگیا۔ وہ شکست خوردہ ہو کر بولا ''یار! تُو نے تو میری کھال ہی اتار لی۔ اب تو داؤ پر لگانے کے لئے پھوٹی کوڑی بھی نہ رہی۔''

لوکھنڈے نے کہا۔ ''تیرے جیسا دھنوان تو کوئی نہ ہوگا۔ ابھی تیرے پاس ایک اور دھن ہے۔''

پٹ نائیک نے نشے میں دھندلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ لوکھنڈے نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ''مادھوری کو داؤ پر لگا سکتا ہے تو کیا انجلی پر قسمت آزما نہیں سکتا؟''

''آں۔ ہاں۔ وہ......''

وہ بدمستی میں جھومتے ہوئے بولا ''وہ میری مادھوری مال کما کر دیتی تھی، اور یہ سالی انجلی، میرا کمایا ہوا مال کھاتی رہتی ہے۔ رات کو خوش کرتی ہے۔ دن کو خون چوس لیتی ہے۔ لگاؤ سالی کو داؤ پر......''

لوکھنڈے نے کلب کے منیجر کو بلا کر کہا۔" منیجر صاحب! ایک اسٹیمپ پیپر چاہئے۔ میرا یار اپنی ایک جائداد میرے نام لکھے گا۔"

اسٹیمپ پیپر آگیا۔ نائیک نے نشے سے لرزتے ہوئے ہاتھ سے انجلی کو رمیش لوکھنڈے کے نام لکھ دیا۔ لوکھنڈے نے فاتحانہ انداز میں ایک گہری سانس لی۔ جسے گاڑیوں کی ریس میں نہ جیت سکا تھا اسے پتوں کی بازی میں جیت رہا تھا۔

☆======☆======☆

صبح کے چار بجنے والے تھے، پانچ بجے تک نائیک کی واپسی کی امید تھی۔ وہ آئینے کے سامنے سنور رہی تھی۔ مانگ میں سندور بھرنا چاہتی تھی ایسے ہی وقت اس نے ایک چیخ ماری، ایک چوہا اس کے پاؤں کے قریب سے گزرتا چلا گیا تھا۔ وہ ایکدم سے گھبرا گئی تھی، ایسی بوکھلاہٹ میں سندور کی ڈبیہ ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔ اس نے پریشان ہو کر فرش پر بکھرے ہوئے سندور کو دیکھا۔ پھر دل ہی دل میں سہاگ کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگی۔

☆======☆======☆

دوسری طرف سب ہی جواری چونک گئے تھے، تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے کہا۔" چھی چھی۔ پتنی کو داؤ پر لگا رہے ہو؟ شرم آنی چاہئے۔"

وہ اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا۔" پتنی میری ہے یا تیری؟ اگر تجھے شرم آرہی ہے تو اپنے گھر چلا جا۔ ادھر عزت پر بنی ہے، ادھر وہ گھر میں بیٹھی کیا انڈے دے رہی ہے؟ میرے مشکل وقت میں میری پتنی کام نہیں آئے گی تو کیا تیری پتنی یہاں آئے گی؟"

لوکھنڈے نے اس شخص کے منہ پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔" یہ کتے کا بچہ رنگ میں بھنگ ڈالنے آیا ہے۔ یہاں کی منیجمنٹ ایسے بدمعاشوں کو کیوں آنے دیتی ہے؟"

دو مسلح گارڈ اس شخص کو پکڑ کر لے گئے۔ بازی پھر شروع ہوگئی۔ ایسی گرما گرم بازی ہو رہی تھی کہ کلب میں موجود تمام جواری اور وہاں کے ممبران ان کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

☆======☆======☆

انجلی نے فرش پر بکھرے ہوئے سندور کو ایک کپڑے سے صاف کر دیا تھا۔ پھر اسی میں سے ایک ذرا سا اٹھا کر مانگ میں بھر لیا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے اپنا سراپا دیکھ رہی

تھی۔ کبھی ساڑھی کا پلّو گرا رہی تھی، کبھی اٹھا رہی تھی۔ وہ پہلی دیوالی کی رات تھی، جسے وہ اپنے جیون ساتھی کے ساتھ گزارنے والی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے چار بج چکے تھے۔

عورت آئینے کے سامنے جاتی ہے تو اپنے آپ میں گم ہو کر دنیا کو بھول جاتی ہے۔ اپنی ہی اداؤں کی اسیر ہو جاتی ہے۔ ایسی مگن ہوتی ہے کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا لیکن وہ آئینہ دیکھ دیکھ کر بیزار ہوگئی۔ تھک کر بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ دن بھر کی جاگی ہوئی تھی۔ کچھ انتظار کی تھکن حاوی تھی، کچھ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ تھی۔ وہ بیٹھی، پھر لیٹی، پھر گہری نیند میں ڈوبتی چلی گئی۔

☆======☆======☆

چڑیوں کی مدھم مدھم سی چہچہاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ پوری طرح صبح نہیں ہوئی تھی، لیکن چاروں طرف پھیلا ہوا دھندلا سا نیلگوں اجالا سمجھا رہا تھا کہ سورج نکلنے والا ہے۔ جس طرح دن کا اجالا پھیلنے اور نہ پھیلنے کے درمیان تھا، اسی طرح وہ جاگنے اور سونے کی درمیانی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ ایسے ہی وقت شراب کی مہک بہت قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے ایک ذرا کسمسا کر ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ کوئی تھا، جو اس پر جھک رہا تھا اور اسے بے خودی کے ساتویں آسمان پر پہنچا رہا تھا۔

وہ کچھ دیر تک بستر پر ادھر سے ادھر ہوتی رہی، کبھی اس کے ہاتھ آتی رہی، کبھی پھسلتی رہی لیکن یہ محسوس کرتی رہی کہ نائیک کے انداز میں وہ شدت نہیں ہے۔ وہ چھینا جھپٹی کرنے والا، ہمیشہ اسے اپنی جاگیر سمجھنے والا۔ آج بڑے عاجزانہ انداز میں اسے مانگ رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ قربت کے لمحات گزارتی آئی تھی، اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے ہوائی جہاز میں سفر کرنے والی کسی سُست رفتار بس میں آگئی ہو۔

چھٹی حس نے الارم بجایا۔ اس نے فوراً ہی پوری طرح آنکھوں کو کھول کر دیکھا تو آنکھیں کھلنے کے بعد حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ لوکھنڈے شراب کے نشے میں جھوم رہا تھا اور مالِ غنیمت کی طرح اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے جیسے بجلی کا جھٹکا لگا۔ وہ فوراً ہی اسے دھکا دیتی ہوئی، چیختی ہوئی بیڈ سے اتر گئی۔ ساڑھی کو چاروں

طرف سے لپٹتے ہوئے غصے سے بولی۔ ''تم۔تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

وہ دھکا کھا کر چاروں شانے چت ہو گیا تھا، بڑی مشکل سے اٹھتے ہوئے لڑکھڑاتی ہوئی بھدی آواز میں گنگنایا۔ ''دل توڑنے والے دیکھ کے چل۔ہم بھی تو پڑے ہیں......''

وہ چیخ کر بولی۔ ''یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ نکلو یہاں سے۔اتنی پی لی ہے کہ اپنے کمرے کا راستہ بھول گئے ہو؟''

وہ بیڈ سے اترتے ہوئے بولا۔ ''بھولا ہوا تھا۔ابھی تو منزل مل رہی ہے۔''

وہ ڈگمگاتا، لڑکھڑاتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔وہ تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔ ''دیکھو! تم نشے میں ہو۔یہ بھول رہے ہو کہ میں تمہارے دوست کی پتنی ہوں۔مجھ سے دور رہو۔''

وہ شیطانی انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔ ''دوست کی پتنی؟ وہ تمہارا نام نہاد پتی دیو تمہیں جوئے میں ہار چکا ہے۔''

اس نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا پھر غصے سے کہا۔ ''یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ نائیک ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔وہ کہاں ہے؟''

وہ جھومتا ہوا بولا۔ ''وہ جہاں بھی ہو، تمہیں اس سے کیا؟ اب تم میری ہو، میرے بارے میں پوچھو۔اب میں ہی تمہارا سب کچھ ہوں۔''

وہ تعجب سے اور بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔یہ بات ہتھوڑے کی طرح لگی تھی کہ نائیک اسے جوئے میں ہار چکا ہے۔اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔کوئی آہٹ نہیں تھی۔اس کا دل ڈوبنے لگا تھا لیکن یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی تھی کہ نائیک ایسی گھٹیا حرکت بھی کر سکتا ہے۔عین ممکن ہے، لوکھنڈے اسے حاصل کرنے کی خاطر جھوٹ بول رہا ہو۔نائیک کسی کام میں الجھ گیا ہو۔دیر سے آنے والا ہو اور اتنے میں یہ شیطان اپنی ہوس پوری کر لینا چاہتا ہو۔

اس نے پوچھا۔ ''تم کہہ رہے ہو، وہ مجھے جوئے میں ہار چکا ہے، پر میں کیسے یقین کروں؟''

وہ جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''پکا کام ہوا

ہے۔اسے دیکھو گی تو یقین آ جائے گا۔''

وہ اسے لے کر پڑھنے لگی۔وہ ایک اسٹیمپ پیپر تھا۔انجلی کو داؤ پر لگانے کی تمام تفصیلات اس میں درج تھیں اور نیچے پٹ نائیک کے دستخط کے ساتھ گواہ کے طور پر شملہ کلب کے منیجر بھی دستخط تھے۔وہ بے یقینی سے اس کاغذ کو دیکھ رہی تھی پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے اس کاغذ کو جنونی انداز میں پھاڑتے ہوئے بولی۔ ''نہیں۔نہیں میں نہیں مانتی۔یہ جھوٹ ہے۔نائیک ایسا نہیں کر سکتا۔تم بتاتے کیوں نہیں، وہ کہاں ہے؟''

''اسے پھاڑنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ تو فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے اور جسے تُو پوچھ رہی ہے اور پُوج رہی ہے۔وہ یہاں سے جا چکا ہے۔''

وہ چیخ کر بولی۔ ''وہ کہاں گیا ہے؟''

''دہلی......''

''وہ مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہے؟ تم جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہو۔میں تم سے بنتی کرتی ہوں، مجھے پریشان نہ کرو۔تم دونوں دوست ہو، کوئی مذاق کر رہے ہو۔بھگوان کے لئے! ایسے مذاق سے باز آ جاؤ۔''

لوکھنڈے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''میری جان! اتنا سب کچھ سننے اور کاغذ پڑھنے کے بعد بھی تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے؟ وہ یہاں نہیں ہے، پورے شملہ میں کہیں نہیں ہے۔''

انجلی رونے لگی، دروازے کی طرف دیکھ کر بھیگی ہوئی آواز میں چلائی۔ ''نائیک! نائیک! تم کہاں ہو؟''

لوکھنڈے قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ایک ہاتھ بڑھا کر اسے جکڑ لینا چاہتا تھا۔وہ فوراً ہی بھاگتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔اس کی نظریں آدھ کھلے دروازے پر تھیں، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اچانک ہی آئے گا اور اسے اس شیطان سے بچا لے گا۔وہ رو رہی تھی، اپنا بچاؤ کر رہی تھی۔بیرونی دروازے تک پہنچنا چاہتی تھی لیکن وہ موقع نہیں دے رہا تھا۔نشے میں لڑکھڑانے کے باوجود دروازے کے قریب ہی رہ کر اس کا راستہ روک رہا تھا۔اس نے سر گھما کر کھڑکیوں کی طرف دیکھا، وہاں لوہے کی جالیاں لگی ہوئی تھیں۔اس نے ہاتھ جوڑ

کر التجا کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے جانے دو۔ بھگوان کے لئے مجھ پر دَیا کرو۔''

وہ بھی دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ''تم مجھ پر دَیا کرو۔ اتنا پریشان نہ کرو۔ میں کل سے تمہارے لئے ترس رہا ہوں۔ اب اور نہ ترساؤ۔ آؤ میں تمہیں نائیک سے زیادہ محبت بھی دوں گا اور دولت بھی دوں گا۔''

ایسے ہی وقت بیرونی دروازے کو کسی نے ایک زور کی لات ماری۔ وہ پوری طرح کھلتا چلا گیا۔ انجلی نے پُر امید نظروں سے ادھر دیکھا۔ وہاں نائیک نہیں تھا، پریتی کھڑی ہوئی تھی۔ لوکھنڈے اسے دیکھ کر چونک گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے ریوالور تھامے، اس کا نشانہ لئے کھڑی تھی، شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔ وہ گھبرا کر بولا۔ ''اسے نیچے کرو۔ گولی چل سکتی ہے۔''

پریتی غرا کر بولی۔ ''ہتھیار چلانے کے لئے ہی اٹھایا جاتا ہے۔''

انجلی بھی اس کے تیور دیکھ کر سہم گئی تھی، ایک کونے میں دبکی کھڑی تھی، پریشان ہو کر سوچ رہی تھی' کہاں آ پھنسی ہے؟ ایسے وقت نائیک پر غصہ آرہا تھا۔ وہ اسے اس جنجال میں ڈال کر نہ جانے کہاں چلا گیا ہے؟ وقت گزرتا جارہا تھا اور یہ تلخ حقیقت یقین میں بدلتی جارہی تھی کہ اس کے پتی نے اسے دھوکا دیا ہے۔ اپنی عزت کی خاطر اسے داؤ پر لگا دیا ہے۔

دوسری طرف پریتی ایک ایک قدم اٹھاتی ہوئی لوکھنڈے کی طرف بڑھ رہی تھی اور وہ اس کے تیور بھانپ کر پیچھے ہٹتا جارہا تھا۔ وہ بولی۔ ''سالے! میں نے تیرے کو کہا تھا نا' میرے بعد کسی دوسری کے ساتھ مستی کرے گا تو میں تیرے کو مستی کرنے کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔''

وہ پیچھے ہٹتا ہوا دیوار سے جا لگا تھا۔ انجلی اپنے بچاؤ کا راستہ تلاش کررہی تھی۔ وہ دونوں بیرونی دروازے کے ساتھ والی دیوار کے پاس تھے۔ وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ ایسے ہی وقت ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی چلی۔ انجلی نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر ادھر دیکھا۔ لوکھنڈے کے سینے سے خون کا فوارہ سا پھوٹ پڑا تھا۔ انجلی ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ ادھر وہ دونوں گتھم گتھا ہو گئے تھے۔ لوکھنڈے اس کے ہاتھ سے

ریوالور چھین لینا چاہتا تھا۔ اسی چھینا جھپٹی میں دو اور فائر ہوئے، پھر سناٹا چھا گیا۔

انجلی بہتا ہوا انسانی لہو نہ دیکھ سکی۔ ان کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی، خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی کوئی اندھی گولی اس کی طرف آنے والی ہے اور اس کا کام تمام کرنے والی ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک کسی آواز کی منتظر رہی پھر اس نے دھیرے دھیرے سر گھما کر دیکھا۔ منظر ایسا تھا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ دونوں خون میں لت پَت فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ ساکت ہو چکے تھے اور ان کے مردہ وجود سے بہتا ہوا لہو کمرے کے فرش کو سرخ کررہا تھا۔

وہ سکتے کے عالم میں انہیں دیکھ رہی تھی، پھر جیسے ہوش میں آگئی۔ وہ فوراً ہی اپنی اٹیچی اٹھا کر اس میں اپنا ضروری سامان اور کپڑے وغیرہ ٹھونسنے لگی۔ پھر اپنا حلیہ درست کر کے اٹیچی کو اور ہینڈ بیگ کو اٹھا کر اس مقتل سے باہر چلی گئی۔

☆======☆======☆

وہ اٹھارہ گھنٹے کا سفر طے کرنے کے بعد دہلی پہنچ گیا۔ گھر کے بیرونی گیٹ پر تالا پڑا ہوا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر سر جھٹک کر کہا۔ ''اوشِٹ۔ چابی تو اسی کے پاس رہ گئی ہے۔''

انجلی کا خیال آتے ہی وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے تصور کی آنکھوں سے لوکھنڈے کی بانہوں میں دیکھنے لگا۔ پھر دیوار پر ایک گھونسہ مارتے ہوئے ناگواری سے بولا۔ ''یہ سالی عورت بڑی بے وفا ہوتی ہے۔ اُس نے مندر چل کر شادی کرنے کو بولا تھا تو میں فوراً ہی راضی ہو گیا تھا لیکن، لیکن اس نے کیا کیا؟ مجھے میرے دوست کے سامنے ذلیل کر دیا۔ وہ میرے لئے منحوس تھی، میں نے خواہ مخواہ اس کے نام پر بازی لگائی۔ اونہہ۔ پہلے پیسہ گیا، پھر مادھوری گئی۔ انجلی گئی نرک میں...... میں اپنی مادھوری کو واپس لانے کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے کہاں سے لاؤں؟''

اس نے سر گھما کر زمین پر ادھر سے ادھر نظریں دوڑائیں پھر ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر تالے پر مارنے لگا۔ تین چار ضربیں لگاتے ہی تالا ٹوٹ گیا۔ وہ گیٹ کو ایک لات مارتا ہوا اندر آیا۔ شادی کی پہلی دیوالی گزر چکی تھی اور بڑے ہی یادگار انداز میں گزری تھی۔ اس

نے کمرے میں آکر دیکھا، بیڈ پر اس کے اور انجلی کے وہ میلے کپڑے پڑے ہوئے تھے جو وہ شملہ جاتے وقت اتار کر گئے تھے۔ وہ انہیں اٹھا کر کچن میں لے آیا۔ پھر ایک تیلی جلا کر ان میں آگ لگانے لگا۔ کپڑے جلنے لگے۔ اسے یک گونہ یوں سکون ملنے لگا جیسے انجلی کی چتا جلا رہا ہو۔

آگ لگتی ہے تو سب کچھ جلا ڈالتی ہے۔ انجلی کے سینے میں بھی آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ شملہ سے جیسے تیسے دہلی پہنچی تو سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرف جائے؟ کس کے پاس جائے؟ بھری دنیا میں کوئی ایسا ٹھکانہ نہیں تھا جہاں وہ کچھ دنوں کے لئے پناہ لے سکتی۔ پھر اسے اپنی کالج کی ایک سہیلی مس یونیورس یاد آئی۔ اس کا اصل نام ششما پنچولی تھا لیکن سب اسے مس یونیورس کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ چاوڑی بازار کے ایک محلے میں رہتی تھی۔

ششما دل کی بہت اچھی تھی مگر اس کا پیشہ اچھا نہیں تھا۔ ماں باپ مر چکے تھے، اس کی پرورش اس کی موسی نے کی تھی، میٹرک کے بعد پڑھائی پر پابندی لگائی جانے لگی تو اس نے دل برداشتہ ہو کر ان کا گھر چھوڑ دیا۔ انہوں نے کچھ دنوں تک اسے تلاش کیا پھر یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ چلو، بلا ٹلی۔

گھر چھوڑنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ جیسا بھی تھا گھر تو تھا موسی کے طعنے اتنے برے نہیں تھے جتنی کہ لوگوں کی چبھتی ہوئی نگاہیں بری لگ رہی تھیں۔ وہ دو دن تک بھٹکتی رہی، سہیلیوں نے بھی اپنی اپنی مجبوریاں ظاہر کر کے اسے پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ ایک رات وہ سب کی طرف سے مایوس ہو کر واپس چلی آئی۔ مَوسی دروازہ کھولتے ہی چونک گئی، ناگواری سے بولی۔ ''اب یہاں کیا لینے آئی ہو؟ خاندان بھر کی ناک کٹوا کر تمہیں تو بہت اچھا لگ رہا ہوگا۔''

وہ روتے ہوئے بولی۔ ''مجھے معاف کر دو مَوسی! تم جیسے کہو گی میں ویسے رہوں گی۔ آگے پڑھنے کی بات کبھی زبان پر نہیں لاؤں گی۔''

مَوسی اور گھر کے دوسرے افراد تو شکر منا رہے تھے کہ ایک مفت میں نوالے توڑنے والی کی کمی ہو گئی ہے۔ ورنہ اس کی شادی کی ذمہ داری بھی ان کے سر تھی۔ جو بوجھ سر سے اتر چکا تھا، وہ اسے دوبارہ لادنے کی بے وقوفی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مَوسی نے بلند آواز

میں کہا۔ ''اس گھر میں میری جوان بیٹی ہے۔ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے وہ اسی گھر میں بیٹھی رہ جائے گی۔ تم نے تو اپنا منہ کالا کر لیا، اب میری بچی کی قسمت کالی کرنے یہاں چلی آئی ہو؟''

وہ تیز آواز میں بول رہی تھی۔ گھر کے دوسرے افراد بھی دروازے پر آ گئے تھے۔ ششما نے پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ محلے پڑوس کی کھڑکیوں اور دروازوں سے کئی چہرے جھانکنے لگے تھے۔ مَوسی بات کا بتنگڑ بنا کر اسے تماشہ بنانا چاہتی تھی، تاکہ وہ گھبرا کر وہاں سے چلی جائے۔

وہ روتے ہوئے بڑی عاجزی سے بولی۔ ''میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے، جس سے خاندان کی ناک کٹ جائے۔ میں جیسی یہاں سے گئی تھی، ویسی ہی لوٹ آئی ہوں۔ بھگوان کے لئے میری بات کا یقین کریں۔ میرا دامن اب بھی صاف ہے۔ میں آج بھی اس شریف گھرانے کی ایک شریف بیٹی ہوں۔''

وہ مَوسی کے قدموں میں گر کر معافی مانگنا چاہتی تھی لیکن وہ فوراً ہی پلٹ کر گھر کے دوسرے افراد کو اندر کرتے ہوئے بولی۔ ''کوئی شریف زادی گھر سے باہر رات نہیں گزارتی اور جب گزارتی ہے تو پھر وہ شریف زادی نہیں کہلاتی۔ رنڈی کہلاتی ہے۔''

دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ ششما سکتے کے عالم میں اس بند دروازے کو تکنے لگی۔ ان لمحات میں اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس پر گھر کا نہیں، نیک نامی کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور بدنامی کے کئی اَن دیکھے دروازے ہیں جو ایک ایک کر کے کھلتے جا رہے ہیں۔

اس نے سر گھما کر دوسرے گھروں کی طرف دیکھا، جھانکنے والیاں فوراً ہی کھڑکیاں دروازے بند کرنے لگیں۔ تماشہ ختم ہو چکا تھا، اب انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بدنامی کی پوٹلی ان کے گھر میں پناہ لینے نہ چلی آئے۔ اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے ایک بار پھر مَوسی کے دروازے کو دیکھا۔ اسے گھر کے کچرے کی طرح گلی میں پھینک دیا گیا تھا اور یوں بھی گھر میں پڑا ہوا کچرا ناگوار ہی لگتا ہے۔ جب اسے گھر سے باہر پھینک دیا جاتا ہے تو پھر وہ ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔

وہ دھیرے دھیرے اس گلی سے یوں گزرنے لگی، جیسے جان سے گزر رہی ہو۔ کانوں میں مُوسی کی ایک ہی بات گونج رہی تھی۔ ''کوئی شریف زادی گھر سے باہر رات نہیں گزارتی اور جب گزارتی ہے تو پھر وہ رنڈی کہلاتی ہے۔''

اس رات کے بعد سے وہ مُوسی کی کہی ہوئی بات درست ثابت کرنے لگی۔ کال گرل کی حیثیت سے لوگوں کی جیبیں خالی کرنے لگی۔ پڑھائی کا شوق تھا اس لئے دن کے وقت کالج میں ہوتی تھی اور رات کے وقت کسی اجنبی کی خواب گاہ میں......

اس نے کرائے پر ایک چھوٹا سا کوارٹر لے رکھا تھا۔ محلے کے افراد اسے نکالنا چاہتے تھے لیکن علاقے کے کونسلر کے کئی راز اس کے سینے میں دفن تھے اس لئے کوئی اس سے زبردستی وہ کوارٹر خالی نہیں کرواسکتا تھا۔

انجلی بس اسٹینڈ سے سیدھی اس کے پاس چلی آئی۔ رات کے تین بجے دروازے پر دستک سنائی دی تو ششما نے جھنجلا کر پوچھا۔ ''کون ہے؟ اتنی رات کو مس یونیورس کسی سے نہیں ملتی۔ صبح آنا۔''

وہ کروٹ بدل کر سونا چاہتی تھی۔ انجلی نے کہا۔ ''ششما! دروازہ کھولو۔''

وہ اپنا اصل نام سن کر چونک گئی۔ پورے کالج میں ایک انجلی ہی تھی جو مس یونیورس اس کے اصل نام سے اسے پکارتی تھی۔ وہ فوراً ہی بستر سے اتر کر دروازے کے قریب آکر بولی۔ ''کون ہے؟''

''میں ہوں، انجلی......''

اس نے جلدی سے چٹخنی گرائی۔ کھلے ہوئے دروازے کے باہر انجلی ہاتھ میں اٹیچی تھامے کھڑی تھی۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔ ''تُو؟ اس وقت یہاں؟ خیریت تو ہے؟''

پھر وہ اس کے پیچھے دور تک دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اکیلی آئی ہے؟''

وہ روتی ہوئی اسے ایک طرف ہٹاتی ہوئی اندر آگئی۔ ششما نے دروازہ بند کر دیا۔ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''ارے کیا ہوا ہے؟ یہ سامان سمیت اتنی رات گئے کہاں گھوم رہی ہے؟''

وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔ ''بس یوں سمجھ لے کہ ایک قیامت سے گزر کر آرہی

ہوں۔ ایک گلاس پانی پلادے۔''

وہ ڈری سہمی سی یوں بیٹھی تھی جیسے پولیس اس کا پیچھا کرتی ہوئی کسی بھی وقت وہاں پہنچنے والی ہو۔ وہ ایک گلاس میں پانی لے کر اسے دیتے ہوئے بولی۔ ''کیا میاں سے جھگڑا ہوا ہے؟ گھر چھوڑ کر آئی ہے؟''

انجلی بڑے دکھ سے بولی۔ ''گھر؟ پہلے بھیا کے پاس تھی تو اسے گھر کہتی تھی۔ پھر پتی کے پاس آئی تو اسے گھر کہنے لگی لیکن اب پتہ چل رہا ہے، بازارِ حسن میں جسے کوٹھا کہتے ہیں ، اسے شریفوں کے محلے میں گھر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ششما نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا وہ بھی تیرے بھیا کی طرح تجھے جانور سمجھ رہا تھا؟''

وہ ساڑھی کے پلّو سے چہرہ پونچھتے ہوئے بولی۔ ''لہو کے رشتے پانی ہوجاتے ہیں پھر وہ تو غیر تھا۔ بھیا سے دو ہاتھ آگے نکلا۔''

انجلی اسے ساری باتیں تفصیل سے بتانے لگی۔ وہ سننے کے بعد بولی۔ ''میں نے یہی دیکھا ہے، جواریوں کے گھر کبھی نہیں بستے۔ بستے بھی ہیں تو کچھ ہی عرصے میں اسی طرح اجڑ جاتے ہیں، جیسے تیرا آشیانہ اجڑا ہے۔ ہم سب نے تجھے سمجھایا تھا 'ایک اجنبی پر بھروسہ نہ کر...... مگر جو ہونی ہوتی ہے، وہ ہزار بہانوں سے ہو کر رہتی ہے۔ شادی کا فیصلہ تُو نے مجبوراً کیا تھا۔''

اس نے سر گھما کر اسے دیکھا، پھر بڑے افسردہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیا اس دنیا میں کوئی اعتماد کے قابل نہیں ہوتا؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''میرا تجربہ تو یہی کہتا ہے۔ اپنے آپ پر بھی بیتی ہے اور دوسروں کو بھی دیکھتی آئی ہوں۔ پتہ نہیں یار! وہ کون سے گھرانے ہوتے ہیں ، جہاں ماں باپ، بھائی بہن اور دوسرے رشتہ دار ہنسی خوشی زندگی گزارتے ہیں؟ اپنی وے۔ اب یہ بتا، تُو نے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''ابھی تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔ آنکھ بند کرتی ہوں یا کہیں اندھیرے کی طرف دیکھتی ہوں تو پریتی اور ڈلوکھنڈے کے مردہ چہرے نظر آنے لگتے ہیں۔ ایک تو یہ

دہشت اور دوسرے نائیک کی بے وفائی نے مجھے بُری طرح توڑ ڈالا ہے۔''

''چل! جب تک تیری سمجھ میں کچھ نہ آئے، تب تک میرے ساتھ یہاں آرام سے رہ۔ ادھر باتھ روم ہے۔ فریش ہو جا، میں تیرے لئے کھانا گرم کرتی ہوں۔''

وہ اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ انجلی اٹیچی میں سے ایک ساڑھی نکال کر باتھ روم میں چلی گئی۔

☆======☆======☆

پٹ نائیک تنہا شراب کی بھٹی کے باہر بیٹھا ہوا تھا، نشے میں جھوم رہا تھا، بڑبڑا رہا تھا۔ بوتل کو خالی کر کے میز پر پٹختے ہوئے بولا۔''سب کچھ چھین لیا۔ اس نے سب کچھ چھین لیا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ وہ سالا چیٹر ہے، بہت بڑا چیٹر ہے۔ اسے تو سیاست میں ہونا چاہئے تھا۔ اس نے بڑی سیاست سے میری مادھوری کو چھین لیا۔ میرے سے بول رہا تھا اگر انجلی واپس چاہئے تو ڈیڑھ لاکھ ہتھیلی پر رکھ اور اسے لے جا۔ اونہہ۔ ڈیڑھ لاکھ ہوتے تو اپنی مادھوری کو نہ لے آتا؟''

راکیش گپتا دوسری ٹیبل پر بیٹھا اس کی بڑبڑاہٹ سن رہا تھا لیکن سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ کئی دنوں سے اسے تلاش کر رہا تھا۔ پھر دوستوں سے معلوم ہوا کہ وہ دیوالی منانے شملہ گیا ہے۔ وہ دونوں پرانے دوست تھے لیکن راکیش نے جب سے ایک بوڑھی امیر کبیر عورت جے شری نارائن کو اپنی دھرم پتنی بنایا تھا' تب سے وہ پٹ نائیک اور لوکھنڈے جیسے دوستوں سے کم کم ہی ملتا تھا۔ نائیک کبھی کبھی طنزیہ انداز میں پوچھتا تھا۔''یار! تیرے نصیب میں یہ باسی مٹھائی لکھی تھی؟''

وہ مسکرا کر جواب دیتا۔''باسی مٹھائی پر چاندی کا ورق چڑھا ہے میرے یار! تُو مٹھائی کو نہ دیکھ۔ یہ دیکھ کہ میری چاندی ہو رہی ہے۔ جتنی اس کی عمر ہے اس سے زیادہ اس کے پاس دولت ہے۔''

''اور اس دولت کے ساتھ ایک عدد بیٹا بھی تو ہے۔''

''وہ تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کا اوڑھنا بچھونا لندن ہے۔ وہ وہاں سے واپس نہیں آنا چاہتا، اور جب سے اس نے یہ سنا ہے کہ اس کی ماں نے مجھ سے شادی کر لی

ہے تب سے تو وہ فون بھی مہینے میں ایک ہی بار کرتا ہے۔''

راکیش کی ایک گرل فرینڈ نیہا تھی۔ اس کی اجازت سے ہی اس نے وہ شادی کی تھی۔ دونوں نے دولت حاصل کرنے کے لئے یہ ایک طرح کا شارٹ کٹ اپنایا تھا۔ ایک ہفتے پہلے نیہا نے اپنی بوڑھی سوکن کے گلے میں سچے موتیوں کا قیمتی نیکلس دیکھا تھا۔

نیہا نے بڑی ادا سے پوچھا۔''اس کے آنجہانی پتی نے وہ نیکلس خرید کر اسے گفٹ کیا تھا، کیا تم اسے چوری کر کے مجھے گفٹ نہیں کر سکتے؟''

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر سمجھانے کے انداز میں کہا۔''میں ایسا نہیں کر سکتا۔ ہیرا پھیری سے بڑی بڑی رقمیں تمہیں لا کر دے سکتا ہوں اور دیتا رہتا ہوں لیکن وہ نیکلس کبھی تمہارے گلے کی زینت نہیں بن سکتا۔ وہ بڑھیا اسے بہت سنبھال کر رکھتی ہے۔''

وہ بیڈ سے اترتے ہوئے بولی۔''کیسے مرد ہو، اس بوڑھی عورت سے ایک ہار نہیں چھین سکتے؟ جاؤ پہلے مردانگی کا ثبوت دو پھر میرے پاس آؤ۔''

وہ عاجزی سے بولا۔''تم میری مجبوری سمجھتی ہو۔''

وہ تیز لہجے میں بولی۔''ہاں۔ سمجھتی ہوں، وہ بڑھیا تمہاری جوانی کو سنبھال نہیں پاتی۔ ہانپنے لگتی ہے۔ اس لئے تم اپنی بقیہ پیاس بجھانے یہاں چلے آتے ہو۔ میں ایک بات کہے دیتی ہوں، جب تک وہ نیکلس میرے گلے میں نہیں آئے گا اس وقت تک میں تمہیں گلے کا ہار نہیں بناؤں گی۔ اب جاؤ، وہ ہار جب تک حاصل نہ ہو جائے' تب تک ہم صرف فون کے ذریعے رابطہ رکھیں گے۔''

اس دن کے بعد سے وہ اس کی قربت کے لئے بے چین رہنے لگا اس نے ہیرا پھیری تو خوب کی تھی' مگر چوری کبھی نہیں کی تھی۔ وہ بہت محتاط رہنا چاہتا تھا۔ اگر چوری کرتا ہوا پکڑا جاتا تو بڑھیا کی تمام دولت سے محروم ہو جاتا۔ قانون کی طرف سے سزا الگ ملتی۔ بہت سوچ سمجھ کر اس نے فیصلہ کیا کہ پٹ نائیک ہی اس کا یہ کام کر سکتا ہے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔''کیا بات ہے، جب سے آیا ہے، بوتل پر بوتل چڑھائے جا رہا ہے۔''

کچھ خمار تھا، کچھ غصے کی شدت تھی، اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے پلکیں اٹھا کر انگارے برساتی نگاہوں سے اسے گھورا۔ پھر کہا۔ ''راکیش! تُو تو بڑا دھنوان ہو گیا ہے۔ تجھے تو بڑے کلبوں میں ہونا چاہیے۔ یہاں شراب کی بھٹی میں کیا کر رہا ہے؟''

''تجھے ڈھونڈتا ہوا آیا ہوں۔''

وہ نشے میں تھا، ایسے وقت دل کی باتیں زبان پر آ جاتی ہیں۔ وہ ایک ذرا افسردگی سے بولا۔ ''تُو مجھے ڈھونڈتا ہوا آیا ہے تو پھر وہ میری پتنی کیا مجھے ڈھونڈتی ہوئی یہاں نہیں آ سکتی تھی؟''

پھر وہ غصے سے میز پر ایک ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''لیکن نہیں۔ وہ اس سالے کے ساتھ موج کر رہی ہوگی۔ وہ بھلا مجھ جیسے پھوکٹ آدمی کے پاس کیا لینے آئے گی؟''

اس نے پوچھا۔ ''تیری پتنی کہاں ہے؟ کس کے پاس ہے؟''

وہ بڑی حقارت سے بولا۔ ''شملہ میں۔ لوکھنڈے کے پاس ہے۔''

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر حیرت سے پوچھا۔ ''یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تیری پتنی اس کے پاس کیا کر رہی ہے؟''

اس نے گھور کر کہا۔ ''کیا تجھے بتانا ضروری ہے؟''

''میرا مطلب ہے، کچھ معلوم تو ہو۔ آخر معاملہ کیا ہے؟''

وہ اسے دیوالی کی رات کا دیوالیہ پن سنانے لگا۔ اس کی باتیں سننے کے بعد راکیش نے کہا۔ ''تُو نے خود ہی انجلی کو اس کی جھولی میں ڈالا ہے اور اب اس کا سوگ منا رہا ہے؟''

وہ میز پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''میں کسی سالی کا سوگ نہیں منا رہا ہوں۔''

وہ ایک ہچکی لیتے ہوئے بولا۔ ''اس کتے کو دہلی آنے دے۔ پھر میں اس سے اپنی مادھوری کو بھی چھین لوں گا اور انجلی کو بھی......''

وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولا۔ ''دیکھ نائیک! تُو نے اپنی خوشی سے بازیاں لگائی تھیں، کسی نے تجھے مجبور نہیں کیا تھا۔ پھر اپنے دوست سے جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

وہ ایکدم سے چیخ کر بولا۔ ''تو پھر میں کیا کروں؟ میں تو کنگال ہو گیا ہوں۔ دیکھ اپنی آنکھوں سے دیکھ، ولایتی پیا کرتا تھا۔ آج ٹھرا پی رہا ہوں۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''میں تجھے ولایتی پلاؤں گا۔ میرا ایک کام کرے گا تو ولایتی بھی ملے گی، مادھوری بھی ملے گی، اور انجلی بھی......''

اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کھل کر بات کر۔''

وہ محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر میز پر جھک کر ذرا سرگوشی میں بولا۔ ''میرے ساتھ باہر چل۔ یہاں دس قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ بات میرے اور تیرے درمیان سے نکل کر کسی تیسرے تک پہنچے۔''

وہ ایک قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے بولا۔ ''تُو سالا! پیدائشی پھٹو (ڈرپوک) ہے۔ ویسے مانتا ہوں، ڈرتے ڈرتے بڑے بڑے کام کر جاتا ہے۔''

وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا بھٹی سے دور چلا آیا۔ راکیش اسے ایک ویران گلی میں لے جا کر بولا۔ ''دیکھ! اس ہاتھ دے اور اُس ہاتھ لے والا معاملہ ہوگا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میری پتنی کے پاس سچے موتیوں کا ایک ہار ہے۔ اسے چرانا ہے۔ تو وہ نیکلس لا کر میرے ہاتھ پر رکھے گا اور میں اسی وقت تجھے ایک لاکھ روپے......''

وہ بولتے بولتے رک گیا، پھر ہنستے ہوئے بولا۔ ''ایک نہیں ڈیڑھ لاکھ دوں گا۔ اس طرح تُو اپنی مادھوری اور انجلی کو واپس لا سکے گا۔''

اس نے سر کو جھکایا پھر ذرا سوچنے کے بعد کہا۔ ''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن تُو جانتا ہے، میں اُلٹے سیدھے دھندے کرتا تو ہوں پَر آج تک میں نے بڑی بڑی تجوریاں کھولنے والی ڈکیتی کبھی نہیں کی۔''

''میں ساری آسانیاں مہیا کروں گا۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے والا معاملہ ہے۔ میں تجھے گھر میں اور اس بڑھیا کے کمرے میں پہنچاؤں گا۔ وہاں تکیے کے نیچے سے چابیاں نکالنی ہیں اور ہار اڑا کر لے آنا ہے۔ یہ کوئی مشکل کام تو نہیں ہے اور پھر تیرے جیسے جی دار تو پولیس کی آنکھوں میں بھی دھول جھونک سکتے ہیں، وہ بڑھیا کیا چیز ہے؟''

وہ تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''پھر تو ٹھیک ہے۔ بول! کب چلنا ہے؟''

راکیش نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج ہی چل۔ مگر پہلے گھر جا کر ایک دو گلاس لیموں پانی پی لے نشہ اُتر جائے گا تُو فریش ہو جائے گا تو ایک

گھنٹے بعد تجھے اپنے گھر لے جاؤں گا۔''

دونوں معاملات طے کر کے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ راکیش نے پہلے سے پلاننگ کی ہوئی تھی۔ صرف یہ اطمینان کرنا تھا کہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں؟ رات کے وقت کوٹھی کے ملازم اپنے اپنے کوارٹر میں چلے جاتے تھے۔ جے شری کی خدمت کے لئے صرف ایک بوڑھی ملازمہ رہ جاتی تھی، جو ڈرائنگ روم میں سوتی تھی۔ اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

میدان بالکل صاف تھا۔ اس نے کوٹھی میں جانے کے لئے پچھلے دروازے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ جب کبھی لیٹ نائٹ گھر آتا تھا تو اسی دروازے سے اندر جاتا تھا۔ مین گیٹ پر الرٹ رہنے والا بوڑھا مسلح گارڈ اس بات سے واقف تھا۔

وہ ایک گھنٹے بعد کوٹھی سے نکلا تو اس گارڈ سے بولا۔ ''مجھے دیر ہو سکتی ہے۔ میں نے پچھلا دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہے۔''

وہ ایک سلیوٹ مارتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے صاحب!''

وہ گارڈ اس کے جانے کے بعد ہاتھ میں تھامی ہوئی تسبیح پڑھنے لگا۔ پچھلے ایک ہفتے سے اس کی بیٹی سخت بیمار تھی۔ ماں کی موت نے اسے صدمہ پہنچایا تھا۔ سرکاری ہسپتال کی دوائیں بگڑی ہوئی سرکار کی طرح بے اثر ہوا کرتی ہیں۔ بیٹی کی طبیعت کبھی سنبھلتی تھی۔ کبھی وہ پھر بستر پکڑ لیتی تھی۔ بوڑھا چوکیدار باپ ڈیوٹی کے وقت اس کے لئے دعائیں مانگتا رہتا تھا اور تسبیح پڑھتا رہتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد راکیش نائیک کو لے کر کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ بوڑھے گارڈ نے فوراً ہی مین گیٹ کھول دیا۔ کار قریب سے گزرنے لگی تو بوڑھے نے جھک کر کھڑکی کے پاس بیٹھے ہوئے نائیک کو دیکھا۔ نائیک نے بھی اسے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ایک پل کے لئے ملیں پھر گاڑی آگے بڑھتی ہوئی پورچ میں آ کر رک گئی۔

نائیک نے راکیش کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایک بھول ہو گئی۔ مجھے چوکیدار کی نظروں میں نہیں آنا چاہئے تھا۔''

وہ لاپرواہی سے بولا۔ ''میرے ساتھ کتنے ہی جان پہچان والے آتے جاتے

رہتے ہیں۔ میں واپسی میں گیٹ سے باہر تمہیں چھوڑنے آؤں گا۔ کوئی یہ شبہ نہیں کرے گا کہ وہ ہار تم نے چرایا ہے۔''

وہ دونوں کار سے اتر کر کوٹھی کے پچھلے حصے میں آئے۔ دروازے کی چابی راکیش کے پاس تھی۔ وہ اندر پہنچ گئے۔ اس نے لائٹ آن نہیں کی۔ وہ نائیک کا ہاتھ تھام کر کہیں تاریکی میں، کہیں نیم تاریکی میں چلتا ہوا ایک دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا پھر سرگوشی میں بولا۔ ''یہی جے شری کا بیڈروم ہے۔''

وہ اپنے ہی گھر میں چوری کے ارادے سے آیا تھا۔ ڈر کے مارے بُرا حال تھا۔ اس نے آہستگی سے کہا۔ ''جو سمجھایا ہے، اسی کے مطابق اندر جا۔ تجھے تکیے کے نیچے چابیاں مل جائیں گی۔ بس سیف کھولنا ہے اور وہ ہار لے آنا ہے۔''

راکیش نے بڑی آہستگی سے ہینڈل کو گھمایا، دروازہ بڑی رازداری سے کھلتا چلا گیا۔ نائیک جیب سے دستانے نکال کر انہیں دونوں ہاتھوں پر چڑھاتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ بوڑھی مالکن گہری نیند میں تھی۔ کمرے کی خاموش فضا میں اس کے خراٹے گونج رہے تھے۔ نائیک نے زیرو پاور کی روشنی میں اس کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر دل ہی دل میں ناگواری سے کہا۔ ''اُونہوں! بھگوان بھی کیسے کیسوں کو لکشمی دیتا ہے؟''

راکیش پریشان سا دروازے سے لگا کھڑا تھا۔ کبھی اندر جھانکتا تھا، کبھی ویران کوریڈور میں نظریں دوڑانے لگتا تھا۔ سناٹے میں دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ چابی نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اب الماری کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے الماری کھولنے کے بعد اس کے سیف کو کھولا تو اس میں نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی للچائی ہوئی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ گڈیاں نکال کر انہیں ساتھ لائے ہوئے ایک کپڑے کے تھیلے میں بھرنے لگا۔ وہاں صرف نقدی ہی نہیں کئی لاکھ کے زیورات بھی تھے۔ کچھ ہی دیر میں سیف خالی ہو گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر دیکھا اب وہاں سوائے کاغذات کے اور چند فائلوں کے کچھ نہیں تھا۔

اس نے راکیش کے پاس آ کر سرگوشی میں کہا۔ ''وہاں تو کوئی موتیوں کا ہار نہیں

ہے۔''

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر اس کے تھیلے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔''اس میں کیا ہے؟''

''یہ۔ یہ میری محنت کی کمائی ہے۔''

''میں نے تجھے صرف وہ ہار چرا کر لانے کو کہا تھا۔''

وہ دروازہ بند کر کے اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے بولا۔''کہاں نا۔ وہاں کوئی ہار وار نہیں ہے۔''

وہ اسے گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔ تھیلے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔''دیکھ نائیک! میرے ساتھ کہانیاں نہ کر۔ ہار دیکھ کر تیری نیت بدل گئی ہے۔ یہ تھیلا مجھے دے۔ ضرور وہ ہار اس میں ہے۔''

اس نے بڑے اطمینان سے وہ کپڑے کا تھیلا اسے تھما دیا۔ وہ اس کی تلاشی لینے لگا۔ نائیک نے موقع غنیمت جان کر جیب سے وہ رومال نکالا، جس میں کلوروفام لگا ہوا تھا۔ وہ تھیلا دیکھنے میں مگن تھا، ایسے ہی وقت نائیک نے اس کے منہ پر وہ رومال رکھ کر اسے دبوچ لیا۔ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں چلانے لگا لیکن نائیک کی گرفت مضبوط تھی، وہ دیدے پھیلائے تڑپ رہا تھا۔ وہ دوا ایسی زود اثر تھی کہ مزاحمت کمزور پڑنے لگی۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی راکیش کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔

وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس نے بڑی آہستگی سے اسے فرش پر ڈال دیا پھر نوٹوں سے اور زیورات سے بھرا ہوا وہ تھیلا اٹھا کر دل میں سوچا۔''دوست ہو یا دشمن، اسے بے بس کرنے کے بعد ہی کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔''

وہ وہاں سے جانا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت عقل نے سمجھایا۔''مخالف کو صرف بے بس بنا دینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ وہ پلٹ کر کسی بھی وقت انتقام لے سکتا ہے۔''

اس نے سر گھما کر فرش پر پڑے ہوئے راکیش کو دیکھا پھر اپنے تھیلے کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت ناچ رہی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ جیب ڈالا۔ جب وہ ہاتھ

باہر آیا تو اس کی گرفت میں ایک چاقو کا دستہ تھا۔ اس کے بٹن کو دباتے ہی کھٹاک کی آواز کے ساتھ اس کا تیز نوکیلا پھل باہر نکل آیا۔

کوئی کسی کو زندگی نہیں دے سکتا، لیکن موت آسانی سے دے دیتا ہے۔ وہ اسے اس کے حصے کی موت دے کر کوٹھی سے باہر احاطے میں آ گیا۔

وہ کامیابی سے واردات کر رہا تھا لیکن اندر سے بُری طرح سہا ہوا تھا۔ احاطے کی دیوار تک جاتے وقت ایک ایک قدم من من بھر کا لگ رہا ہے۔ دیوار کے اوپری حصے پر حفاظت کے لئے کانچ کی کرچیاں لگائی گئی تھیں۔ اس نے پہلے وہ تھیلا اچھال کر باہر گلی میں پھینکا، پھر خود ایک درخت کے سہارے دیوار پر چڑھنے لگا۔ اس بوڑھے گارڈ کو آہٹ سنائی دی تھی۔ وہ اسی طرف آ رہا تھا۔ نائیک فوراً ہی شاخوں کے درمیان چھپ گیا، سانس روک کر بیٹھ گیا۔ گارڈ پوری کوٹھی کا راؤنڈ لگانے کے وہاں سے دور ہوتا چلا گیا۔

اس نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی پھر درخت سے دیوار پر آ گیا۔ نیچے جھانک کر دیکھا، اونچائی اچھی خاصی تھی لیکن پھانسی کے پھندے سے بچنے کے لئے وہ کسی مینار کی بلندی سے بھی کود سکتا تھا۔ اس نے محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا پھر دل ہی دل میں''جے بجرنگ بلی......'' کہتا ہوا کود کر دھپ کی آواز کے ساتھ زمین پر آ گیا۔

اونچی دیوار سے جمپ لگانے کے باعث اس کی کمر کو جھٹکا پہنچا تھا۔ ہڈیاں دُکھنے لگی تھیں۔ اس نے سر گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا، وہ کوٹھیوں کے پیچھے بنے ہوئے ایک گندے نالے کے قریب تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک زمین پر بیٹھا رہا پھر تھیلے کو مضبوطی سے تھام کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف جانے لگا۔ رات کا تیسرا پہر تھا۔ اس نے سوچا اگر وہ گھر جانے کی جلدی کرے گا تو راستے میں پولیس والوں کے ہتھے چڑھ جائے گا۔ اس وقت کسی کی بھی نظروں میں آنا سراسر حماقت ہوتی۔

اس نے دوسری گلی میں مڑ کر دیکھا۔ وہاں ایک خالی پلاٹ تھا، جس میں خودرو جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا وہاں گیا اور ایک جھاڑی کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ دور کہیں سے نائٹ چوکیدار کی سیٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اتنا بڑا جرم کیا تھا، کسی دشمن کو نہیں بلکہ اپنے ہی دوست کو قتل کیا تھا۔ وحشت اور

جنون کے مارے اس کے دیدے پھیلے ہوئے تھے۔آنکھوں کے سامنے اس کا تازہ تازہ بہتا لہو دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک اسے یاد آیا کہ جو واردات ہو چکی ہے اس کا چشم دید گواہ وہ بوڑھا چوکیدار ہے۔جب وہ راکیش کے ساتھ کار میں بیٹھ کر احاطے میں داخل ہو رہا تھا تو بوڑھے چوکیدار نے اسے صاف طور پر دیکھا تھا۔

اس نے پریشان ہو کر سوچا۔''اس بوڑھے کا منہ بند کرنا ہوگا۔ایک جرم کو چھپانے کے لئے دوسرا جرم کرنا پڑتا ہے، لیکن راکیش کا لہو ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے بہہ رہا ہے۔اس کے خون کے چھینٹے اب تک میرے دماغ پر کنکر پتھر کی طرح پڑ رہے ہیں۔زندگی میں پہلی بار ایک قتل کیا ہے۔اب تک میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔میں کیا کروں......؟''

وہ خزانے سے بھرے ہوئے تھیلے پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگا۔''اتنی دولت میں نے فلموں میں دیکھی ہے۔زندگی میں پہلی بار اپنے پاس دیکھ رہا ہوں۔اس کی خاطر کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔''

وہ تدبیر سوچنے لگا۔عقل میں بات آئی کہ ایک کے بعد دوسری غلطی کر کے جرم کی دلدل میں دھنسنا نہیں چاہئے۔وہ بوڑھا غریب ہے۔اگر اسے تگڑی رشوت دی جائے گی تو وہ ضرور اپنا منہ بند رکھے گا۔

وہ تھیلے کو سہلانے لگا۔اتنی دولت لے کر اس کوٹھی کی طرف جانا اور چوکیدار کو رام کرنا مناسب نہیں تھا۔وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر چھپتا چھپاتا اپنے گھر آگیا۔ایک پرانے صندوق میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔اس نے تھیلے میں سے تیس ہزار روپے نکالے۔انہیں لباس کے اندر چھپایا۔پھر اس تھیلے کو صندوق کے اندر کاٹھ کباڑ کی تہہ میں چھپا کر باہر آگیا۔دروازے پر بڑا سا تالا ڈال کر اسی کوٹھی کی طرف جانے لگا۔

صبح کے چھ بج چکے تھے۔نائیک کوٹھی کے گیٹ کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا۔وہاں اب ایک کے بجائے دو گارڈ دکھائی دے رہے تھے۔وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا'ایک سے دو کیوں ہو گئے؟ کیا کوٹھی کے اندر ہونے والی واردات کا پتہ چل گیا ہے؟

ایسی کوئی بات نہیں تھی۔گارڈز اپنی ڈیوٹی بدل رہے تھے۔بوڑھا گارڈ منظور چاچا دوسرے گارڈ سے کہہ رہا تھا۔''اور تو سب ٹھیک ہے مگر رات کو مالک کے ساتھ آنے والا مہمان ابھی تک واپس نہیں گیا ہے۔''

دوسرے گارڈ نے کہا۔''بڑے لوگ ہیں۔رات کو پی پلا کر ایک ہی بیڈ روم میں لڑھک گئے ہوں گے۔چاچا! تم جاؤ۔میں اندر کی خبر رکھوں گا۔''

منظور چاچا اپنی گن اسے دے کر گیٹ سے باہر آگیا۔نائیک احاطے کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔صبح کی روشنی اچھی طرح پھیل چکی تھی۔اکے دُکے لوگ آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔اس بوڑھے سے سرِ راہ معاملہ طے نہیں کیا جا سکتا تھا۔وہ گھر جا رہا تھا' وہیں اسے سمجھا منا کر اپنا راز دار بنایا جا سکتا تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے دور تک چلتے رہے۔بڑے لوگوں کے علاقے سے گزر کر غریبوں کی بستی میں پہنچ گئے۔منظور چاچا نے ایک چھوٹے سے مکان کے دروازے پر پہنچ کر اسے کھولا۔اس نے بیٹی کو تاکید کی تھی کہ دروازہ اندر سے بند نہ رکھے۔ورنہ دوبارہ اسے کھولنے کے لئے اس بیمار کو بستر سے اٹھ کر آنا ہوگا۔

وہ چارپائی پر لیٹی بخار میں پُھنک رہی تھی۔گورے مکھڑے پر چڑھتے شباب کی لالی ایسے پھیلی ہوئی تھی جیسے آسمان پر شفق پھیلی ہو۔بخار سونے پر سُہاگہ کا کام کر رہا تھا۔اس کی شدت سے وہ لالی مزید سُرخ ہو گئی تھی۔وہ سر سے پاؤں تک ایک پھٹے پرانے لحاف میں دبکی ہوئی تھی۔لحاف میں چھپنے کے باوجود جوانی کی اٹھان بغاوت کر رہی تھی۔یہ کہا جا سکتا ہے کہ پھٹی پرانی گدڑی میں لعل چھپا ہوا تھا۔

منظور چاچا نے کمرے میں آ کر بیٹی کو دیکھا، وہ آنکھیں بند کئے بے سُدھ پڑی ہوئی تھی۔اس نے پیشانی کو چھو کر دیکھا۔ہلکا سا بخار تھا۔وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔''بیٹی چلمن! اٹھو......تم نے اب تک دوا نہیں پی ہے؟''

اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں تو آنکھوں کے گوشوں سے دو آنسو لڑھک کر کنپٹی اور بالوں کو نم کرنے لگے۔باپ نے بڑے دکھ سے اسے دیکھا پھر پوچھا۔''اری کب تک آنسو بہاتی رہے گی؟ ان آہوں سے یا آنسوؤں سے کیا تیری ماں واپس آجائے گی؟''

وہ کہنی کے بل اٹھتے ہوئے بولی۔ ''اماں کے مرنے کا تو دکھ ہے ہی، لیکن اس سے زیادہ دُکھ اپنی غربت کا ہو رہا ہے۔ اگر تم بوڑھے اور مجبور نہ ہوتے تو اماں کبھی ہم سے جدا نہ ہوتیں۔ انہوں نے کیسے تڑپ تڑپ کر جان دی تھی؟ آپریشن کے لئے پچیس ہزار کا بندوبست نہ ہوسکا تھا۔''

نائیک کھڑکی کے باہر کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ باپ سے لپٹ گئی، پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی۔ ''پیسے نہیں تھے، اس لئے آپریشن نہ ہوسکا، آپریشن ہو جاتا تو ابھی اماں ہمارے ساتھ ہوتی۔ بابا! کیا ہم غریب لوگ اسی طرح بے بسی سے مرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں؟''

باپ کی آنکھیں بھی بھیگنے لگیں۔ وہ اس کی پُشت سہلاتے ہوئے بولا۔ ''ان بوڑھی ہڈیوں میں جتنا دم ہے، میں اس سے زیادہ محنت کرتا ہوں لیکن کیا کروں؟ کمائی کے ساتھ ساتھ مہنگائی بھی بڑھ جاتی ہے۔ تجھے بھی اس بوڑھے باپ کا احساس نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو یوں پلنگ سے لگ کر نہ رہ جاتی۔ تیری چہکار ہی تو میری زندگی ہے، میری بچی! ڈیوٹی سے واپس آکر میں تیرا ہنستا کھلکھلاتا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

اس نے پاس رکھی ہوئی دوا کی شیشی اٹھائی پھر اسے ہلا کر ایک خوراک دوا گلاس میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''ہماری زندگی میں دکھ بیماریوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا، خدا جیسی بیماریاں دیتا ہے، ویسے علاج کے پیسے نہیں دیتا۔ کل سے خیراتی ہسپتال کی دوا پی رہی ہے۔ بخار ہے کہ اترتا ہی نہیں ہے۔ کبھی کبھی تو جھنجھلا کر جی کرتا ہے، کہیں سے چوری کر کے بڑی رقم لے آؤں۔ تیری ماں چلی گئی، میں تجھے نہیں جانے دوں گا۔''

چلمن نے گلاس لے کر ایک ہی سانس میں دوا پی لی۔ پھر اپنے سینے کو سہلاتے ہوئے کہا۔ ''بابا! میری طبیعت گھبرا رہی ہے۔''

''اس زندگی سے میں بھی گھبرا گیا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، تیرے لئے کیا کروں؟ میرے بس میں ہوتا تو اس شہر کے سب سے بڑے اور مہنگے ہسپتال میں تیرا علاج کراتا۔''

چلمن نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کچھ طبیعت گھبرا رہی تھی، کچھ سر چکرا رہا تھا۔ پتہ

نہیں وہ کیسی دوا تھی؟ اس پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ زیرِ لب بڑبڑاتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف جانے لگا۔ ''یہ صبح صبح کون آ گیا؟''

اس نے دروازہ کھولا تو نگاہوں کے سامنے پٹ نائیک کو دیکھتے ہی پہچان کر بولا۔ ''آپ۔؟ آپ یہاں؟''

پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''کیا مالک نے بلایا ہے؟''

نائیک بولا۔ ''نہیں۔ میں تم سے ملنے آیا ہوں۔ تم سے ایک ضروری کام ہے۔''

وہ تعجب سے بولا۔ ''آپ کو مجھ سے کام ہے؟ حکم کریں، ہم تو خدمت کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں۔''

''کیا میں اندر آسکتا ہوں؟''

وہ جلدی سے ایک طرف ہٹتے ہوئے بولا۔ ''ہاں ہاں۔ اندر آئیں۔ آپ بڑے لوگ ہیں، آپ کو بٹھانے لائق کوئی جگہ نہیں ہے۔''

نائیک اندر آ گیا۔ منظور چاچا نے ایک چادر کو جھٹک کر چارپائی پر بچھاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ اس غریب کے گھر کا پانی پینا پسند کریں گے؟''

''میں پانی بعد میں پیوں گا۔ پہلے تمہاری غریبی دور کروں گا۔''

وہ تعجب سے بولا۔ ''میں کچھ سمجھا نہیں۔''

''میں کھڑکی کے باہر کھڑا تمہاری باتیں سن رہا تھا۔ تم کسی بڑے اور مہنگے ہسپتال میں بیٹی کا علاج کرانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں ہزاروں روپے دے سکتا ہوں۔''

وہ بے یقینی سے نائیک کو دیکھنے لگا۔ نائیک مسکرا کر بولا۔ ''یقین نہیں آ رہا ہے؟''

اس نے جیب سے نوٹوں کا بنڈل نکالا۔ اس بنڈل کو سیدھا کرتے ہوئے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ایک ایک نوٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''صرف غریب ہی مجبور نہیں ہوتے۔ ہم جیسے پیسے والے بھی مجبور ہوتے ہیں۔ تم میری مجبوری دور کرو گے تو میں اس میں سے پچیس نوٹ تمہیں ابھی دوں گا۔ پچیس نوٹ کا مطلب ہے' پچیس ہزار روپے......''

بوڑھے کی سانس اُوپر کی اُوپر ہی رہ گئی۔ وہ بڑی مشکل سے سانس کھینچ کر بولا۔

"آپ...... ابھی...... مجھے اتنی بڑی رقم دیں گے؟"

نائیک نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ اس کے پیروں کو چھو کر بولا۔ "میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟"

"میں نے ابھی کہا ناں کہ میں تمہاری مجبوری دور کروں گا اور تم میرے کام آؤ گے......"

"میں کس طرح آپ کے کام آ سکتا ہوں؟"

"تمہیں ایک ذرا سا جھوٹ بولنا ہوگا۔"

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "جھوٹ......؟"

"ہاں۔ کل رات راکیش اپنی کوٹھی میں اکیلا واپس آیا تھا اور تم نے اس کے ساتھ مجھے نہیں دیکھا تھا۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "آپ کیوں چاہتے ہیں کہ میں ایسا جھوٹ بولوں......؟"

وہ بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا "کل۔ رات۔ تمہارے صاحب راکیش گپتا کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

وہ حیرت سے اچھل کر دو قدم پیچھے چلا گیا۔ اٹکتے ہوئے بولا۔ "یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ انہیں کس نے قتل کیا ہے؟"

وہ تمام نوٹ اسے دکھاتے ہوئے بولا۔ "قاتل کوئی بھی ہے۔ تم یہ نوٹ لو اور اپنی بیٹی کا علاج کراؤ۔"

بوڑھے منظور کی بوڑھی آنکھوں کے سامنے دلدر دور ہونے لگے۔ خوشحالی کا سورج طلوع ہونے لگا۔ وہ تصور کی آنکھ سے بیٹی کو صحت یاب ہوتے دیکھ رہا تھا۔ وہ دودھ پی رہی تھی، پھل کھا رہی تھی اور خوش رنگ لباس پہنے ناچتی گاتی پھر رہی تھی۔

وہ اپنی بیوی کو مجبور اور لاچار ہو کر گنوا چکا تھا۔ اب اپنی بیٹی کی زندگی کو کھلونا نہیں بنا سکتا تھا۔ نائیک نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "میری بات غور سے سنو۔ پولیس والے اگر تم سے پوچھیں کہ کل آدھی رات کے بعد راکیش کے ساتھ کون آیا تھا تو تم صرف اتنا کہو گے کہ وہ تنہا آیا تھا۔ کار کے اندر روشنی تھی اور تم نے صاف طور پر اپنے صاحب کو تنہا

دیکھا تھا۔"

اس نے پچیس نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔ بوڑھے نے ان نوٹوں کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "میں کتنا مجبور ہو گیا ہوں؟ آج پہلی بار اپنی مالکن سے نمک حرامی کروں گا۔"

"دولت ہمیشہ جھوٹ اور بے ایمانی سے حاصل ہوتی ہے۔ تم ایمانداری کی کمائی سے اس کا علاج نہیں کرا سکتے تھے۔ صرف دعویٰ کرتے رہتے کہ اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتے ہو۔ جبکہ ایمانداری کی آڑ میں اپنی بیٹی سے دشمنی کرتے رہتے۔"

وہ اس بوڑھے کے جذبات سے کھیل رہا تھا۔ یہ بات اسے ذہن نشین کرا رہا تھا کہ وہ بوڑھا کسی دن کسی وقت بھی اس دنیا سے گزر جائے گا۔ اس کی جوان اور لاوارث بیٹی دربدر کی ٹھوکریں کھائے گی۔ اگر اس کے جھوٹ بولنے سے وہ قتل کے الزام سے بچ جائے گا تو اسے مزید پچاس ہزار روپے دے گا۔

اس نے بوڑھے کو سبز باغ دکھاتے ہوئے کہا۔ "صرف اتنا ہی نہیں۔ جب تمہاری بیٹی کا رشتہ ہوگا تو اس کی شادی کے لئے بھی میں تمہیں رقم دوں گا۔ تم میرے کام آتے رہو میں تمہارے کام آتا رہوں گا۔"

دوسرے کمرے میں چلمن آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔ اس پر نیند حاوی ہو رہی تھی۔ ایسے میں دوسرے کمرے سے جو آوازیں آ رہی تھیں، وہ اس کے نیم خوابیدہ ذہن میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ اس نے اتنا ہی سمجھا تھا کہ کوئی اس کے باپ سے ملنے آیا ہے۔ شاید کوئی فرشتہ ہے۔ جینے مرنے کی باتیں کر رہا ہے اور ہزاروں روپے دے رہا ہے، نہ جانے کیسی الجھی الجھی سی باتیں کر رہا ہے؟

باتیں الجھی ہوئی نہیں تھیں۔ نیند سے بوجھل ذہن الجھا ہوا تھا۔ وہ اسی الجھن میں سو گئی۔

☆======☆======☆

دوسرے دن جے شری کی کوٹھی میں ماتم ہو رہا تھا۔ پولیس والے اپنے فرائض میں مصروف تھے۔ قتل کے سلسلے میں گھر والوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ لاش کو پوسٹ مارٹم

کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ وہ بوڑھا سیکورٹی گارڈ اس ہنگامے سے پہلے صبح چھ بجے اپنی ڈیوٹی آف کر کے جا چکا تھا۔

انسپکٹر دلیش پانڈے نے جے شری کو تنہائی میں ملاقات کرنے کے لئے بلایا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو اس نے کہا۔ ''آپ پر دکھوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے مجھے آپ سے ہمدردی ہے، لیکن میں اپنے فرائض سے مجبور ہوں۔ آپ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ صدمے سے نڈھال ہو رہی تھی۔ لوگوں کی تو جوان اولادیں مرتی ہیں۔ اس کا جوان شوہر مر گیا تھا۔ اس نے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا۔ ''بے شک۔ آپ اپنا فرض پورا کریں اور جلد سے جلد قاتل کو گرفتار کریں۔ اس نے میرا سہاگ چھینا ہے، میں اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچانا چاہتی ہوں۔''

وہ اس سے مختلف سوالات کرنے لگا۔ راکیش کے بہت سے ایسے معاملات تھے جن کے بارے میں وہ کچھ نہ بتا سکی۔ انسپکٹر دلیش پانڈے نے پوچھا۔ ''کیا آپ ان کے دوست احباب کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتیں؟ ان کے کتنے دوست تھے، کتنے دشمن تھے؟ کبھی تنہائی میں انہوں نے کسی کا ذکر تو کیا ہوگا؟''

وہ بولی۔ ''میں نے راکیش سے شادی کی تھی۔ مجھے اس کے دوستوں سے کوئی سروکار نہیں تھا اور جہاں تک رشتہ داروں کی بات ہے تو اس کی کوئی فیملی نہیں تھی۔''

''آپ ہائی سوسائٹی کی ایک معزز ہستی ہیں۔ بزنس کی دنیا میں آپ کا اور آپ کی کمپنی کا ایک نام ہے۔ کیا یہ بات مضحکہ خیز نہیں ہے کہ آپ نے ایک ایسے شخص سے شادی کی، جس کا کوئی فیملی بیک گراؤنڈ نہیں تھا؟''

''کیا یہ بات مضحکہ خیز نہیں ہے کہ مجھ جیسی ایک پچاس سالہ عورت نے ایک اٹھائیس سالہ شخص سے شادی کی؟''

اس کا جواز درست تھا۔ انسپکٹر خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔ ''پلیز۔ آپ میرے پرسنل معاملات میں نہ بولیں۔ راکیش ایک محبت کرنے والا اور بھروسے والا پتی تھا۔ اس نے ضرور میری دولت کی اور میری جان کی سلامتی کی خاطر اپنی

جان دی ہے۔''

دلیش پانڈے نے اسے سر سے پاؤں تک گہری نظروں سے دیکھا۔ وہ کسی حد تک اس کے ذاتی معاملات سے واقف تھا۔ یہ جانتا تھا کہ جب سے اس نے راکیش گپتا سے شادی کی تھی تو اس کا جوان بیٹا راہول نارائن لندن کا ہو کر رہ گیا تھا۔ مہینے میں ایک آدھ بار صرف فون پر رابطہ کیا کرتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نہ جانے وہ کون سے شیطانی جذبے ہوتے ہیں، جنہیں پورا کرنے کے لئے ایک ماں اپنی ممتا کا گلا گھونٹ دیتی ہے؟ جے شری بھی جوان شوہر کی خاطر اپنے جوان بیٹے کو نظر انداز کرتی رہی ہے۔

دلیش پانڈے نے پوچھا۔ ''کیا آپ کے بیٹے کو بتایا گیا ہے کہ وہ بے چارہ یتیم ہو گیا ہے؟''

جے شری نے چونک کر ناگواری سے اسے دیکھا پھر کہا۔ ''وہ بیس برس پہلے ہی یتیم ہو چکا تھا۔''

پانڈے بولا۔ ''میرا مطلب ہے، آپ کا راہول دوسری بار یتیم ہو گیا ہے۔ دیکھیں ناں۔ دو باپ ہوں تو دو بار یتیم ہونا پڑتا ہے۔''

''مسٹر پانڈے! آپ ہمارے ذاتی معاملات میں نہ بولیں۔ یہاں آپ کی جو ڈیوٹی ہے، وہ پوری کریں۔''

''مقتول کے دوستوں اور دشمنوں کا حساب کر رہا ہوں۔''

وہ ٹہلنے کے انداز میں ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''راکیش کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے گئی ہوئی ہے۔ واپس آئے گی تو اس کے انتم سنسکار کے لئے اپنے بھی آئیں گے، پرائے بھی آئیں گے اور بہروپئے دشمن بھی دوست اور رشتہ دار بن کر آئیں گے۔ ان میں آپ کا بیٹا راہول بھی ہوگا۔''

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''یہی کہ سوتیلا بیٹا تھا، باپ سے نفرت کرتا تھا، ماں سے دور ہو گیا تھا۔ ماں کو دوبارہ پانے کے لئے سوتیلے باپ کو اوپر پہنچانے کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے اور اس نے کچھ نہ کچھ تو کیا ہوگا۔''

وہ ایکدم سے تڑپ کر بولی۔ ''اس نے کچھ نہیں کیا ہے۔ آپ بکواس کر رہے ہیں۔''

''میڈم! مائنڈ یور لینگویج...... سوری بولیں۔ ورنہ میں آپ کے بیٹے کو بھی شبہے کی بنیاد پر حوالات میں ڈال سکتا ہوں۔''

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ''سو۔ سوری...... آپ نے ممتا کو چوٹ پہنچائی اس لئے میرے منہ سے ایسی بات نکل گئی۔ میں پھر ایک بار سوری کہتی ہوں۔ میرا راہول ایسا نہیں ہے۔ وہ کبھی ایک چیونٹی کو بھی نہیں مارتا۔ لڑائی جھگڑوں سے دور رہتا ہے۔ وہ سوتیلے باپ سے لڑنا جھگڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے دور چلا گیا تھا۔''

''ہم کیسے مان لیں کہ وہ یہاں نہیں ہے؟ اپنی ماں سے دور لندن میں ہے؟''

''اس نے فون پر مجھ سے کہا ہے کہ وہ آج رات دس بجے کی فلائٹ سے یہاں آرہا ہے۔''

''سانچ کو آنچ کیا؟ وہ یہاں آئے گا تو میں سب سے پہلے اس کا پاسپورٹ چیک کروں گا کہ واقعی وہ لندن سے آیا ہے یا نہیں......؟''

اس نے ایک ذرا توقف کے بعد پوچھا۔ ''بائی دا وے۔ راکیش جی رات کو کتنے بجے تک گھر آجاتے تھے؟''

''کبھی جلدی آتے تھے، کبھی دیر ہو جاتی تھی۔ جب دیر سے آنا ہوتا تھا تو وہ کوٹھی کے پچھلے دروازے سے اندر آتے تھے۔''

''کل رات وہ کس وقت آئے تھے؟''

''میں نہیں جانتی۔ رات گیارہ بجے کے بعد میں سو جاتی ہوں۔ وہ اس وقت تک نہیں آئے تھے۔''

''نائٹ چوکیدار یا سیکورٹی گارڈ کو تو معلوم ہوگا؟''

''بالکل۔ نائٹ سیکورٹی گارڈ اپنی ڈیوٹی صبح سویرے ختم کر کے چلا جاتا ہے۔ اسے خبر ہوگی کہ راکیش کب آئے تھے؟''

''وہ نائٹ ڈیوٹی والا کہاں ہوگا؟''

وہ اسے بوڑھے گارڈ منظور چاچا کا ایڈریس نوٹ کرانے لگی۔ وہ ایڈریس ایک صفحے پر نوٹ کرنے کے بعد جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ سے باتیں کر کے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنے پتی کی پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کوٹھی کے باہر آکر دو سپاہیوں کو منظور چاچا سیکورٹی گارڈ کا ایڈریس دیتے ہوئے بولا۔ ''تم لوگ ابھی جاؤ اور اس بوڑھے کو تھانے لے آؤ۔''

وہ دونوں حکم کی تعمیل کے لئے چلے گئے۔ وہ سر گھما کر اس کوٹھی کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ اس کا تجربہ کہہ رہا تھا کہ ہو نہ ہو قاتل کہیں اور نہیں، اسی کوٹھی میں ہے۔

اسے جے شری پر شبہ تھا۔ ہوسکتا ہے، راکیش اسے ایک بوڑھی اور کمزور عورت سمجھ کر اس کی ساری جائیداد ہڑپ کر لینا چاہتا ہو اور اسی لئے اس نے اس عمر کی عورت سے شادی کی ہو، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا رنگ دکھاتا' جے شری نے اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ ڈکیتی کا ڈھونگ اس لئے رچایا گیا کہ پولیس کا دھیان اصل معاملے سے ہٹ جائے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس کا بیٹا راہول لندن سے واپس آچکا ہو لیکن ماں سے اپنی آمد چھپا رہا ہو۔ سوتیلے باپ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد اپنی موجودگی ظاہر کرنا چاہتا ہو۔

قاتل کون ہے؟ اپنوں میں سے ہے یا غیروں میں سے؟ کیا چوری اسی قاتل نے کی ہے؟ چوری ہوئی بھی ہے یا نہیں؟ یہ ایسے سوالات تھے جو فی الحال جواب طلب تھے۔ اس کا ذہن تین اطراف میں دوڑ رہا تھا۔ ایک تو راہول مشکوک ہو گیا تھا۔ اس کا پاسپورٹ دیکھنے کے بعد ہی یہ حقیقت سامنے آنے والی تھی کہ وہ کب انڈیا پہنچا ہے؟ دوسرے جے شری پر بھی شبہ کیا جا رہا تھا اور تیسرے وہ بوڑھا گارڈ بہت اہم تھا۔

وہ پولیس وین میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

☆======☆======☆

ایک گھنٹے بعد مسلح سپاہی منظور چاچا کو گرفتار کر کے تھانے لے گئے۔ اس نے وہی بیان دیا جو نائیک نے سمجھایا تھا۔ یعنی پچھلی رات راکیش گپتا تنہا اپنی کار میں واپس آیا تھا۔ انسپکٹر نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم بیگم صاحبہ سے یا کوٹھی کے

کسی دوسرے فرد سے ملے بغیر اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر کیوں گئے؟''

''میں ہمیشہ اسی طرح جاتا ہوں۔ آپ بیگم صاحبہ سے پوچھ لیں۔ صبح چھ بجتے ہی میری ڈیوٹی ختم ہو جاتی ہے۔''

انسپکٹر نے میز پر ایک گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ ''جھوٹ بولتے ہو، تم صبح چھ بجے ڈیوٹی پر نہیں تھے۔ راکیش گپتا ایک سے دو بجے کے درمیان کوٹھی میں آئے تھے۔ تم نے انہیں قتل کیا اور پھر وہاں سے بھاگ گئے۔''

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر انکار کے انداز میں ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں۔ میں نے اپنے مالک کو قتل نہیں کیا ہے۔''

انسپکٹر نے گرج کر کہا۔ ''کیا ہے۔ اگر تم نے خود نہیں کیا ہے تو پھر کسی سے کرایا ہے۔ اپنی خیریت چاہتے ہو تو سچ سچ بتا دو، تم مجرم ہو یا کسی قاتل کا ساتھ دے رہے ہو۔''

وہ سچ کیسے بتا دیتا؟ جبکہ جھوٹ بولنے کے پچیس ہزار روپے وصول کر چکا تھا۔ اس نے تھانے میں حاضر ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے ایک بڑے ڈاکٹر کو بھاری فیس ادا کی تھی۔ اپنی بیٹی کا معائنہ کرایا تھا اور اس کے لئے مہنگی دوائیں خرید چکا تھا اور یہ تمام سہولیات صرف ایک جھوٹ سے حاصل ہوئی تھیں۔

ٹھیک ہے کہ اسے سزا مل سکتی تھی لیکن دوسری طرف بیٹی صحت یاب ہونے والی تھی۔ عین ممکن تھا کہ وہ شُبہے کی بنیاد پر جیل چلا جاتا۔ ایسی صورت میں پٹ نائیک نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی بیٹی کو ہر ماہ گھر بیٹھے تین ہزار روپے دیتا رہے گا۔

وہ بلا سے پھانسی پر چڑھ جاتا۔ مگر اس سے پہلے پٹ نائیک اس کی بیٹی کو ڈولی میں بٹھا کر اس کی سسرال رخصت کر دیتا۔ ایک بوڑھا باپ اپنی زندگی کے دن پورے کر چکا تھا۔ اسے بے موت مرنے کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ پھانسی پر چڑھ کر بیٹی کو سہاگن بنا دیتا تو یہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فرض ادا کر دیتا۔

بوڑھے منظور نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''انسپکٹر صاحب! میں قاتل نہیں ہوں اور نہ ہی کسی قاتل کا ساتھ دے رہا ہوں۔ جب تک میں ڈیوٹی پر تھا، میں نے راکیش جی کے سوا کسی کو کوٹھی میں داخل ہوتے نہیں دیکھا۔ وہ جب بھی دیر سے گھر آتے ہیں تو کوٹھی کے

پچھلے دروازے سے اندر جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کل رات کوئی اسی دروازے سے اندر گیا ہو۔ میں ایک ہی وقت میں چاروں طرف پہرہ نہیں دے سکتا۔ میری سچائی کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ صرف خدا جانتا ہے کہ میں اس معاملے میں بے گناہ ہوں۔''

''تم کہاں تک سچ بول رہے ہو یہ ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال تمہیں حوالات میں رکھا جائے گا۔''

وہ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ ''مائی باپ! میری بیٹی سخت بیمار ہے، اتنی بڑی دنیا میں میرے سوا اس کا کوئی نہیں ہے۔ اسے میرے جیل جانے کی خبر ہو گی تو وہ صدمے سے مر جائے گی۔ کوئی اس کے سر پر ہاتھ رکھنے والا نہیں ہے۔''

''ہمیں تمہاری بیٹی سے ہمدردی ہے۔ تم چاہو تو اسے کوئی پیغام بھیج سکتے ہو۔''

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ ''میں جیل جاؤں یا سچ بول کر بیٹی کے پاس جاؤں؟ سچ کہوں گا تو مجرم کہلاؤں گا۔ کیونکہ میں نے قاتل کا ساتھ دیا ہے۔ سچ بولنے سے سزا کم ہو گی مگر عدالت کے آخری فیصلے تک نہ کوئی مجھے ضمانت پر رہا کرائے گا اور نہ ہی میں کسی وکیل کی خدمات حاصل کر سکوں گا۔ پھر اپنے جھوٹ کو ہی کیوں نہ برقرار رکھوں؟ اس طرح کم از کم بیٹی کو تو خوشیاں نصیب ہوتی رہیں گی۔''

اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کو میری گرفتاری کا پتہ چلے۔ آپ میری پڑوسن رضیہ بی بی کو سمجھا دیں کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرتی رہے۔ جب تک وہ صحت یاب نہ ہو جائے اسے میری گرفتاری کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔''

''ٹھیک ہے تمہاری پڑوسن کو سمجھا دیا جائے گا۔''

پھر اس نے ایک سپاہی سے کہا۔ ''رام گوپال! اسے حوالات میں ڈال دو۔''

وہ بند ہو رہا تھا۔ نائیک کے دکھائے ہوئے خواب سجا کر آہنی سلاخوں کے پیچھے جا رہا تھا لیکن اپنی بیٹی کے لئے خوشحالی کے دروازے کھول رہا تھا۔ اگر اس کا جنازہ اٹھنے کے بعد بیٹی کی ڈولی اٹھ سکتی تھی تو اسے یہ سودا منظور تھا۔ وہ نائیک کے سامنے نہیں بلکہ اپنے حالات کے سامنے سر جھکاتا ہوا اس سپاہی کے ساتھ چلا گیا۔

☆======☆======☆

سینٹرل جیل کا ضمنی گیٹ کھل رہا تھا۔ پانچ چھ ٹپوری قسم کے افراد ہاتھوں میں پھولوں کے ہار تھامے کھڑے تھے اور بے چینی سے سر اٹھا اٹھا کر گیٹ کی طرف ایسے دیکھ رہے تھے، جیسے کوئی شیر دہاڑتا ہوا اپنے غار سے باہر آنے والا ہو۔

اور وہ آ گیا۔ گیٹ سے باہر ایک زوردار آواز کے ساتھ اس نے اپنا قدم جمایا تو باہر استقبال کرنے والوں نے یک زبان ہو کر نعرہ لگایا۔ ''شیر آیا میدان میں۔ گیدڑ بھاگے شمشان میں......''

سب اسے دادنواب کے نام سے جانتے اور پکارتے تھے۔ ماں نے بڑے ارمانوں کے ساتھ اس کا نام نواب علی رکھا تھا۔ اس بے چاری کو کیا خبر تھی کہ وہ جوان ہو کر علاقے کا دادا بن جائے گا۔ اس نے سر اٹھا کر جھک جھک کر سلام کرنے والوں کو دیکھا۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ اس کے گلے میں سب سے پہلے اس کا ہار سج جائے۔ وہ ایک ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے بولا۔ ''اسٹاپ......''

اس کی آواز سنتے ہی نعرے لگانے والوں کی آوازیں گھٹ گئیں۔ اس نے ایک ٹپوری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ابے او برتن! ہنگامہ کہاں ہے؟''

ہنگامہ اس کے دست راست کا نام تھا۔ برتن نامی اس ٹپوری نے آگے بڑھ کر اس کے گلے میں ہار ڈالتے ہوئے کہا۔ ''وہ مس یونیورس کے پاس گیا ہے۔ تمہارے آنے کی خوشی میں بڑی زبردست پارٹی کا انتظام کر رہا ہے۔''

''اس ہنگامے کو آج ہی ہنگامہ کرنا ضروری تھا کیا؟''

''دادا! اپنی ناک اونچی رکھنے کا معاملہ تھا۔ سیٹھ جمشید جی نے مس یونیورس کو اپنی پارٹی میں بلایا تھا۔ ہنگامہ نے سیٹھ جی کو تڑی دی کہ شیر کے منہ سے نوالہ چھینو گے تو تمہاری ہڈیاں چبا کر تھوک دی جائیں گی۔''

برتن نے اس کے قریب جھک کر کہا۔ ''مس یونیورس کے پاس ایک نئی پھڑ پھڑاتی ہوئی مچھلی آئی ہے۔ مگر کہتی ہے کہ وہ نئی نخرے والی دھندہ کرنے نہیں آئی ہے۔ وہ کوئی شریف زادی ہے۔ اب تم ہی بتاؤ دادا! گندے تالاب میں سچا موتی کیسے آ سکتا ہے؟''

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ''کچھ بھی ہو، ہنگامہ کو پہلے

یہاں آنا چاہئے تھا۔''

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ دور سے ہنگامہ کی آواز سنائی دی۔ وہ دوڑتا آ رہا تھا۔ ''اوئے دادا! تیری خیر ہو۔ تیرے درشن کے لئے سر کے بل آ رہا ہوں۔''

وہ دوڑتا ہوا آ کر سچ مچ اس کے قدموں کے پاس سر کے بل ہو گیا۔ سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کر دیں۔ اسی حالت میں دادا نواب کے پیروں کو چھو کر سیدھا ہو گیا۔ پھر اس نے ہار پہنایا تو دادا نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''اب ٹھنڈ پڑے گی کلیجے میں......''

پھر ہنگامہ نے الگ ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا ارادہ ہے؟''

دادا نواب اس کے ساتھ جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''سب سے پہلے ماں جی کے پاس جاؤں گا۔ اس کے قدموں پر سر رکھوں گا۔ تو نے کبھی جا کر ماں جی کی خیریت پوچھی؟''

وہ دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔ ''باپ رے! کس میں ہمت ہے جو تمہاری ماں جی کے سامنے جائے؟ وہ تو دور سے دیکھتے ہی ہمیں مارنے کو دوڑتی ہے۔ کہتی ہے، ہماری وجہ سے تم بدمعاشی کرتے ہو اور پکڑے جاتے ہو۔ جب سے تم جیل گئے ہو، تب سے ہم میں سے کسی نے ماں جی کے درشن نہیں کئے ہیں۔''

وہ ہنسنے لگا۔ پیچھے آنے والے حواریوں نے کہا۔ ''دادا! ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں......''

وہ جیپ میں بیٹھتے ہوئے برتن سے بولا۔ ''ان سے ہار لے لو۔ میں گھر جا کر پہن لوں گا۔''

ان میں سے ایک نے چھ سات تحریر شدہ کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ ''دادا! یہ عرضیاں ہیں۔''

وہ ان کاغذوں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ آنے والے اپنے اپنے مسائل تحریر کر کے لائے ہیں۔ اس نے ہنگامہ سے کہا۔ ''یہ عرضیاں لے لو۔ کل سے عمل درآمد شروع ہو گا۔''

وہ اپنے اپنے ہار اور پرچیاں انہیں تھما کر چلے گئے۔ انہیں اطمینان تھا کہ دادا نواب

آ گیا ہے۔اب دوسرے دن سے ہی ان کے مسائل حل ہونے لگیں گے۔

ہنگامہ جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگا۔اس کا موڈ سمجھ رہا تھا کہ مس یونیورس سے منہ ماری ہوئی ہے۔دادا نواب نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے پوچھا۔''مچھلی ہاتھ نہیں آئی کیا؟''

''وہ تو ہاتھ آجائے گی لیکن وہ یونیورس رخنہ ڈال رہی ہے۔تم تو جانتے ہو،اس علاقے کا کونسلر بھی اس کے آگے دُم دباتا ہے۔کہتی ہے، مجھے لے جاؤ لیکن اس نئی چھوکری پر بُری نظر نہ ڈالو۔وہ دھندہ کرنے نہیں آئی ہے۔''

''دھندہ کرنے نہیں آئی ہے تو اس کے پاس کیا کر رہی ہے؟ کیا تُو نے اس نئی آنے والی کو دیکھا ہے؟''

''ہاں دادا! دو بار سامنا ہوا ہے، بہت ہی دھانسو چیز ہے۔وہ سالی مِس یونیورس ہمیں ٹال رہی ہے۔وہ ضرور اس فریش پیس کو کسی بڑی پارٹی کے لئے سنبھال کر رکھ رہی ہے اور ہمیں باسی مال سے بہلانا چاہتی ہے۔''

''تُو فکر نہ کر۔وہ فریش ہے تو ہم بھی پرانے پاپی ہیں۔اسے مکھن کے بال کی طرح اڑا لائیں گے۔''

اس نے مسکرا کر اسے دیکھا، پھر جیپ کی اسپیڈ بڑھاتا ہوا اپنے محلے کی طرف جانے لگا۔کچھ دیر بعد ہی وہ ایک چھوٹے سے محلے کے ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے رک گئے۔دادا نواب نے جیپ سے اترتے ہوئے کہا۔''رات کو چھاپے پر ملاقات ہوگی۔''

وہ برتن کے ساتھ جیپ اسٹارٹ کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔کچھ بچے گلی میں کھیل رہے تھے۔اسے دیکھتے ہی شور مچانے لگے۔''دادا چاچو آ گیا۔دادا چاچو آ گیا......''

اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔''بچو! تمہارا دادا آج سرکاری مہمان خانے سے آیا ہے۔اس لئے ابھی جیب خالی ہے۔تمہارے مٹھائی کے پیسے ادھار رہے۔''

یہ کہہ کر وہ مکان کا دروازہ کھولتا ہوا اندر آ گیا۔سیٹی بجاتا ہوا کمرے کو گھوم گھوم کر دیکھنے لگا۔''ماں جی نے بڑے سلیقے سے سجا کر رکھا ہے۔پہلے تو یہ کمرہ ایسا نہیں تھا؟''

اس نے تیز آواز میں کہا۔''ماں جی! دیکھ تیرا دادا آ گیا ہے۔''

ایسے ہی وقت اسے یاد آیا کہ مکان کا بیرونی دروازہ باہر سے بند تھا۔ماں جی دروازے کی کنڈی لگا کر شاید کسی پڑوسن کے پاس گئی ہے۔وہ اطمینان سے چارپائی پر گر پڑا، ہاتھ پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ایسے ہی وقت دوسرے کمرے سے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔

نہایت ہی سُریلی آواز تھی۔وہ ماں کی آواز ہو ہی نہیں سکتی تھی۔وہ ایکدم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔کبھی اندرونی کمرے کو اور کبھی بیرونی دروازے کو دیکھنے لگا۔سوچنے لگا۔''جب کوئی اندر موجود ہے تو پھر مکان کا دروازہ باہر سے بند کیوں تھا؟''

اس نے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔''اندر کون ہو سکتا ہے؟''

دل نے سمجھایا۔''ابے بدھو! کون ہو سکتا نہیں ہے۔ہو سکتی ہے۔سن نہیں رہا ہے؟ کیسی سُریلی کراہ ہے۔لگتا ہے، کوئی نوخیز کلی حالات کے کسی کانٹے کی زد میں آ گئی ہے؟''

دل کے سمجھانے پر اسے احساس ہوا کہ وہاں ضرور کوئی دوشیزہ ہے۔سوال پیدا ہوا۔''اگر کوئی دوشیزہ ہے تو کون ہے؟ اور اس بدنام زمانہ دادا نواب کے گھر میں کیا کر رہی ہے؟''

کمزور لیکن رَس بھری آواز سنائی دی۔''پپ۔پانی......''

وہ جو بھی تھی بڑے نقاہت بھرے لہجے میں پانی کی التجا کر رہی تھی۔وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ایک ایک قدم اٹھاتا ہوا اس دوسرے کمرے کی طرف جانے لگا۔ہر قدم پر فریاد کرنے والی کی آواز قریب ہوتی جا رہی تھی۔وہ دروازے پر پہنچ کر ٹھٹک گیا۔نظروں کے عین سامنے وہ لحاف اوڑھے لیٹی ہوئی تھی۔نیم وا آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی نقاہت سے کہہ رہی تھی۔''پانی۔پپ۔پانی......''

اس کی ادھ کھلی آنکھوں میں ایسی کشش تھی کہ وہ بے اختیار اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔اس نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔''کک۔کون ہو تم؟''

ایسے ہی وقت اسے احساس ہوا کہ وہ رعبِ حُسن سے ہکلا رہا ہے۔وہ سنبھل کر شیر کی طرح گرجتے ہوئے بولا۔''یہ میرا گھر ہے۔تم کون ہو؟ کیا ماں جی تمہیں یہاں لائی

ہیں؟"

پھر اسے خیال آیا کہ پانی کے لئے اس کی آواز بڑی مشکل سے نکل رہی ہے۔ ایسے میں وہ اس کے سوالات کا جواب کیسے دے گی؟ لڑکی نے ایک بار پھر دھیرے سے کہا۔ "پانی......"

وہ دوسرے کمرے سے پانی لانے کے لئے پلٹ گیا۔ اس کی طرف سے منہ پھیر کر چلتے وقت یوں لگا، جیسے ایک حسین نظارہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ وہ دروازے پر رُک گیا۔ ایک ذرا گردن گھما کر اسے دیکھنے لگا۔ دل نے چپکے سے پوچھا۔ "کیا دیکھ رہا ہے؟ تجھے تو عورتوں سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔ پھر اس میں ایسا کیا ہے کہ پلٹ کر دیکھ رہا ہے؟ پلٹ کر دیکھنے والے پتھر کے ہو جاتے ہیں۔"

اور اس وقت واقعی اسے لگ رہا تھا جیسے وہ پتھر کا ہو گیا ہے۔ اپنی مرضی سے حرکت نہیں کر سکتا ہے۔ وہ لڑکی جو اس شیر جیسے جوان کے لئے شیرنی نہیں تھی۔ ہل کر پانی نہیں پی سکتی تھی، بیماری کے بوجھ سے کراہ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کے حواس پر چھا رہی تھی؟ کیوں اسے اچھی لگ رہی تھی؟ آج تک تو کوئی اسے اچھی نہیں لگی؟ پھر اس میں کیا بات ہے؟

وہ عورتوں کے حُسن و شباب کا بھوکا نہیں تھا، نہ ہی یہ ہوس تھی کہ حسین اور لچکتے ہوئے بدن اس کے ہاتھوں کا کھلونا بنیں۔ بس اس کے اندر ایک ہی بُری اور عجیب عادت تھی کہ اسے عورتوں کے ہاتھوں سے شراب پینے کا شوق تھا۔ وہ مشہور طوائفوں اور کال گرلز کو بلاتا تھا۔ رات بھر ان کے خوبصورت ہاتھوں سے جام پیتا تھا اور صبح ہوتے ہی انہیں رخصت کر دیتا تھا۔ وہ اپنی کمائی سمیٹ کر خوشی خوشی چلی جاتی تھیں۔

وہ سوچتا ہوا باہر آ گیا کہ آخر اس میں ایسی کیا بات ہے کہ وہ اس کی طرف کھنچا جا رہا ہے؟ اس کے دل نے سمجھایا۔ "وہ بیمار اور کمزور ہے، اور میں ہمیشہ کمزوروں کی مدد کرتا ہوں۔ شاید اسی لئے مجھے اس سے ہمدردی ہو گئی ہے۔"

وہ ایک گلاس میں پانی لے کر واپس آیا۔ پھر اس کے سرہانے پہنچ کر بولا۔ "اٹھو۔ پانی پیو۔"

وہ پوری طرح آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔ عجیب گہرائی تھی ان آنکھوں میں۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کھڑے کھڑے ان میں ڈوبتا چلا جا رہا ہے۔ پورے ایک سال سے جیل کی آہنی سلاخوں، ہتھکڑیوں، اور سپاہیوں کے ظالم چہرے دیکھتا رہا تھا۔

اب وہ گلنار اور نرم و ملائم سا چہرہ یک بیک نگاہوں کے سامنے آ کر کہہ رہا تھا۔ "زندگی چوری بدمعاشی اور قید کی سختیوں کا نام نہیں ہے۔ نرم گرم بانہوں اور ریشمی اداؤں کو بھی زندگی کہتے ہیں۔"

وہ بڑی نقاہت سے لرزتی ہوئی ایک ہاتھ کی کہنی ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر پھر تکیے پر گر پڑی۔ دادا نواب اس کے قریب بیٹھ گیا۔ پھر اس کی گردن کے پیچھے ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیتے ہوئے ایک ذرا سا اٹھایا اور پانی سے بھرے ہوئے گلاس کو اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

وہ حسین مکھڑا بالکل قریب آ کر دمک رہا تھا۔ وہ ہونٹوں سے پی رہی تھی۔ وہ نگاہوں سے پینے لگا۔ اَن دیکھی شراب تھی، وہ زندگی میں پہلی بار حُسن کے نشے میں ڈوب رہا تھا۔ ہاتھوں سے پلانے والیاں بہت ملی تھیں لیکن یہ پہلی تھی جسے وہ پلا رہا تھا اور خود نشے میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

پانی پینے کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی اور نڈھال سی ہو کر اپنا سر اس کے شانے پر ٹیک دیا۔ نواب کا دل یکبارگی یوں دھڑکنے لگا جیسے ابھی سینے سے باہر آ کر اس اجنبی دوشیزہ کے قدموں میں لوٹ پوٹ ہونے لگے گا۔ صرف سر شانے پر ہوتا تو خیر تھی، لیکن اس کے بدن کے کچھ حصے بھی اس کے چٹان جیسے وجود سے لگے ہوئے تھے۔ لمحہ لمحہ اسے پگھلا رہے تھے۔ نواب کو یوں لگا، جیسے وہ بیمار ہو رہا ہے، اوپر سے تندرست ہے مگر اندر سے کمزور ہو رہا ہے، بظاہر شیر ببر ہے، فولاد کی طرح سخت ہے لیکن اندر سے موم کی طرح پگھل رہا ہے۔

ایک بار اس کے دست راست ہنگامہ نے کہا تھا۔ "دادا! تم بڑے بڑے بدمعاشوں کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دیتے ہو، مگر عورت کو دیکھ کر دور ہی سے کترا جاتے ہو۔ تنہائی میں بھی ملتے ہو تو صرف شراب پینے کے لئے۔ اس کے شباب کو حلق سے نہیں

اتارتے۔ آخر بات کیا ہے؟''

اس نے کہا تھا۔ ''میرے استاد نے ایک بار سمجھایا تھا کہ بیٹا نواب! جب تک تُو عورت سے بچتا رہے گا، تب تک تجھے کوئی شکست نہیں دے سکے گا اور جس دن کسی عورت کو ہاتھ لگائے گا، اُس دن تیرے سوچنے کی طاقت جاتی رہے گی اور تیرے بدن کا زور گھٹتا جائے گا۔ یہ جو عورت ہوتی ہے ناں، کھٹمل سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہے۔ سالی مرد کا سارا لہو چوس لیتی ہے۔''

یہ باتیں یاد آتے ہی اس نے جلدی سے اس لڑکی کو تکیے پر گرادیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ نازک سی لڑکی واقعی اسے کمزور بنا رہی تھی۔ اس نے نقاہت سے کراہتے ہوئے کروٹ لی۔ کروٹ بدلتے وقت تکیہ ایک ذرا سا سرک گیا تھا اور اس کے نیچے سے ہزار ہزار اور پانچ پانچ سو کے نوٹ جھانکنے لگے تھے۔ رقم پر نظر پڑتے ہی اس کی باچھیں کِھل گئیں۔ وہ للچائی ہوئی نظروں سے کبھی نوٹوں کو دیکھنے لگا، کبھی اس حسینہ کو۔ وہ دوسری طرف منہ پھیرے لیٹی ہوئی تھی۔ وہ آہستگی سے جھکا اور دو انگلیوں کی قینچی بنا کر ایک ایک نوٹ کو تکیے کے نیچے سے کھینچنے لگا۔

وہ پورے چوبیس ہزار روپے تھے۔ وہ سوچنے لگا۔ ''تکیے کے نیچے اور نہ جانے کتنی دولت چھپی ہوئی ہے؟ کسی طرح اس لڑکی کو ایک طرف ہٹا کر چھپے ہوئے خزانے کو برآمد کرنا چاہئے۔ میرے استاد نے غلط کہا تھا کہ عورت کو ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔ ارے یہ چھوکری تو روپے پیدا کرنے کی مشین معلوم ہوتی ہے۔ نوٹ کھینچتے جاؤ تو نکلتے ہی جاتے ہیں۔ استاد کی ایسی کی تیسی...... جیل سے چھوٹتے ہی یہ لڑکی میری خوش نصیبی بن گئی ہے۔''

وہ اسے تکیے پر سے ہٹانے کی ترکیب سوچنے لگا۔ اسے کسی بہانے سے اٹھانے کا مطلب یہی ہوتا کہ اس کے بھرے بھرے بدن کو ایک بار پھر ہاتھ لگانا پڑتا۔ وہ اسی بات سے ہچکچا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت بیرونی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے سوچا، شاید ماں جی آگئی ہے۔

لیکن رضیہ بی بی کو دیکھ کر چونک گیا۔ فوراً ہی نوٹوں کو جیب میں ٹھونستے ہوئے بولا۔ ''ارے چاچی! یہ سب کیا ہے؟ یہ لڑکی کون ہے؟ میری ماں جی کہاں ہے؟''

وہ بولی۔ ''تیری ماں نے تو پچھلے برس ہی یہ مکان چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو اب اسی کوٹھی میں رہتی ہے، جہاں کام کرتی ہے۔ یہاں اسی بنگلے میں کام کرنے والا بوڑھا منظور چاچا رہتا ہے۔ یہ اس کی بیٹی چلمن ہے۔ تیری بدمعاشی کی عادت نہیں جاتی۔ پڑوسیوں سے پوچھے بغیر اس مکان میں گھسا چلا آیا ہے۔ بتا، یہاں کیا کر رہا تھا؟''

''ارے چاچی! نیکی کرنے آیا تھا۔ یہ بے چاری پانی کے لئے ترس رہی تھی۔ میں نے اسے پانی پلا دیا ہے۔ تُو اچھی طرح جانتی ہے کہ میں بُرا سہی' مگر میں نے اس محلے میں کبھی کوئی بدمعاشی نہیں کی ہے۔''

پھر وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ یہ اور بات ہے کہ تُو مجھے بدمعاش کہے گی تو ابھی تیری آنکھوں کے سامنے اور محلے والوں کے سامنے اس لڑکی کو اٹھا کر لے جاؤں گا۔ دادا نواب کا راستہ روکنے والا ابھی کوئی مائی کا لال پیدا نہیں ہوا ہے۔''

رضیہ بی بی نے گھبرا کر کہا۔ ''میری شامت آئی ہے جو میں تجھے بدمعاش کہوں گی؟ دیکھ! یہ لڑکی میری نگرانی میں ہے۔ تُو ایسی ویسی باتیں نہ کر۔ میرا دل گھبراتا ہے۔''

''یہ تیری نگرانی میں کیوں ہے؟ اس کے ماں باپ کہاں ہیں؟''

رضیہ بی بی نے چلمن کی طرف دیکھا۔ وہ دوسری طرف منہ پھیرے لیٹی ہوئی تھی اور آنکھیں بند کئے نیم غنودگی کی حالت میں ان کی باتیں سن رہی تھی۔ رضیہ بی بی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے دوسرے کمرے میں چلنے کو کہا۔ وہ اس کے پیچھے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں آگیا۔ پھر بولا۔ ''کیا بات ہے؟ تم جوان چھوکریوں کی طرح یہ اشارے بازی کیوں کر رہی ہو؟''

اس نے ایک ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ایک تھپڑ ماروں گی۔ اس بڑھاپے میں مجھے جوان چھوکری بنا رہا ہے۔ ابھی تیری ماں ہوتی تو تجھے دس جوتے لگاتی۔''

''کیا میری ماں جی اسی جے شری کی کوٹھی میں کام کرتی ہے؟''

''ہاں۔ پچھلی رات کسی نے جے شری کے میاں کو قتل کر دیا ہے۔ پولیس منظور چاچا پر شبہ کر رہی ہے، آج صبح اسے گرفتار کر کے لے گئی ہے۔''

''کون منظور چاچا......؟''

''ارے اس لڑکی کے باپ کا نام منظور ہے۔وہ جے شری کی کوٹھی میں گارڈ کی حیثیت سے ڈیوٹی دیتا ہے۔چلمن کو ہم نے ابھی اس کے باپ کی گرفتاری والی بات نہیں بتائی ہے۔بے چاری بیمار ہے،اسے صدمہ پہنچے گا۔اچھی ہو جائے گی تو میں اسے ساری باتیں سمجھا دوں گی۔''

وہ بولا۔''اچھا تو اس کے باپ نے قتل کیا ہے؟ پھر تو وہ ہماری ہی برادری کا آدمی نکلا۔''

رضیہ اسے ایک چپت لگاتے ہوئے بولی۔''ارے کیوں بکواس کرتا ہے؟ اس کے باپ نے قتل نہیں کیا ہے۔اس غریب کی کسی امیر سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ وہ بے چارہ تو اتنا غریب ہے کہ دو وقت کی روٹیوں کے لئے راتیں جاگ جاگ کر چوکیداری کرتا ہے۔''

اس نے تعجب سے اس کمرے کی طرف دیکھا۔نگاہوں کے سامنے ہزار پانچ سو کے نوٹ گھومنے لگے۔اس نے سوچا۔''اگر وہ غریب ہے تو پھر چلمن کے سرہانے اتنی دولت کہاں سے آئی؟''

اس نے رضیہ سے اس رقم کا کوئی ذکر نہیں کیا۔شاید وہ بھی اس چھپے ہوئے خزانے سے بے خبر تھی۔اگر باخبر ہوتی تو وہ آتے ہی نواب پر شُبہ کرتی کہ وہ اس رقم پر ہاتھ نہ صاف کر گیا ہے۔

اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔''اگر وہ غریب ہے تو میں غریب نواز ہوں۔اس چھوکری کے علاج کے لئے جتنے پیسوں کی ضرورت ہو گی، میں اپنی جیب سے دوں گا۔یہ لے! ایک ہزار روپے.....''

اس نے ہزار کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھایا پھر کمرے کی طرف دیکھتا ہوا باہر جانے لگا۔رضیہ بی بی اس کی سخاوت اور دریا دلی سے متاثر ہو کر اسے دعائیں دے رہی تھی۔اس نے دروازے پر رُک کر کہا۔''دیکھ چاچی! یہ روپے اس کی دوا دارو کے لئے ہیں، اگر میرے پیسوں میں بے ایمانی کرے گی یا اپنے گھر والے کو دارُو پینے کو دے گی تو میں تم دونوں میاں بیوی کو الٹا لٹکا دوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ دروازہ کھولتا ہوا باہر چلا گیا۔رضیہ بی بی اسے غصے اور پیار سے دیکھتی رہ

گئی۔

کچھ دیر بعد ہی دادا نواب جے شری کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔احاطے میں پولیس وین کھڑی تھی۔وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتا ہوا اندرونی دروازے پر آیا پھر کال بیل کا بٹن دبا کر انتظار کرنے لگا۔کچھ دیر بعد ہی ایک سپاہی نے دروازہ کھول کر باہر آتے ہوئے کہا۔''ابے تُو؟ دادا نواب! جیل سے چھوٹ گیا؟''

اس نے کسی انجن کی طرح منہ سے سگریٹ کا دھواں نکالتے ہوئے کہا۔''ہاں سنتری جی! بار بار جیل سے چھوٹ کر نہیں آؤں گا تو تھانے کچہری کا کاروبار کیسے چلے گا؟''

ڈرائنگ روم سے انسپکٹر دلیش پانڈے نے پوچھا۔''رام گوپال! باہر کون ہے؟''

سپاہی نے دروازے سے جھانک کر کہا۔''دادا نواب ہے۔سزا کاٹ کر آیا ہے۔''

ماں جی اپنے بیٹے کا نام سن کر تڑپ گئی۔ایک سال کے بعد اس کی صورت دیکھنے والی تھی۔اس نے ایک ذرا اُچک کر دروازے کی طرف دیکھا،سپاہی کی اوٹ سے وہ دکھائی دے رہا تھا۔اس کی صورت دیکھتے ہی ماں کے دل سے ایک ٹھنڈی سانس یوں نکلی، جیسے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی ہو۔پھر اس نے جی کڑا کر کے تیز آواز میں کہا۔''وہ یہاں کیوں آیا ہے؟ اسے کہہ دو، اس کی ماں مر گئی ہے۔''

دادا نواب نے اچانک ہی دروازے پر ایک زور کی لات ماری۔سپاہی اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔دروازہ ایک جھٹکے سے پوری طرح کھل گیا تھا۔اس نے وہیں سے دونوں بازو پھیلا کر کہا۔''ماں جی! غصہ بعد میں دکھانا۔تیرا بیٹا ایک سال کے بعد آیا ہے۔پہلے اسے گلے سے لگا لے۔''

ماں کا دل اپنے لعل کی طرف کھنچا جا رہا تھا لیکن وہ جبراً غصہ دکھاتے ہوئے بولی۔''ارے کم بخت! کون سا حج کر کے آیا ہے جو تجھے گلے سے لگا لوں۔ساری دنیا تجھ پر تھو تھو کرتی ہے۔مجھے ایک چور اور بدمعاش کی ماں کہتی ہے۔میں تو تجھے پیدا کر کے پچھتا رہی ہوں۔''

انسپکٹر دلیش پانڈے اپنی جگہ سے اٹھ کر غصے سے بولا۔''نواب! تُو میرے سامنے اتنی بدتمیزی سے دروازہ کھول کر آیا ہے۔تیری شامت آئی ہے۔کیا پھر جیل جانے کا ارادہ

ہے؟''

یہ بات سنتے ہی ماں نے پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھا۔ وہ بتیسی نکال کر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ''مائی باپ! مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ جیسے شریف لوگ یہاں موجود ہیں۔ ایک بیٹا اپنی ماں سے ملنے کے لئے قلابازیاں کھا کر بھی آ سکتا ہے۔ آپ مجھے جیل بھیجنے کی دھمکی نہ دیں۔ جب تک میری ماں جی مجھے سینے سے نہیں لگائے گی، تب تک اس دنیا کا کوئی قانون میرے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکے گا۔''

ماں دل ہی دل میں بیٹے پر ہزار جان سے قربان ہو رہی تھی۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''اس وقت میں آپ کے تھانے میں نہیں، اپنی ماں کی عدالت میں ہوں، ذرا یہ بھی دیکھیں کہ گالیاں دینے والی ماں کے سینے میں جو دل ہے وہ ایک بدمعاش بیٹے کے لئے کیسے تڑپتا ہے؟ خدا کی قسم! آپ کی عدالتوں میں اگر ماں کی زبان بولتی تو آج اس دنیا میں کوئی چور اور بدمعاش نظر نہ آتا۔''

ماں جی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ وہ جیسا بھی تھا بیٹا تھا۔ اس کے وجود کا حصہ تھا۔ وہ اسے سیدھے راستے پر چلانے کے لئے اوپری دل سے لعنت ملامت کرتی رہتی تھی۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ ''لمبی لمبی باتیں نہ بنا۔ جب تک تو شریف آدمیوں کی طرح زندگی نہیں گزارے گا، میں تجھے اپنا بیٹا نہیں کہوں گی۔''

نواب نے انسپکٹر اور سپاہیوں کو دیکھا پھر ماں سے کہا۔ ''ماں جی! شریف آدمی کیسے بنوں؟ جہاں جاتا ہوں، پولیس والے ٹکرا جاتے ہیں۔ ابھی تجھ سے ملنے آیا تو یہ یہاں بھی موجود ہیں۔''

دلیش پانڈے نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''ہماری ڈیوٹی یہی ہے کہ تم جیسے لوگوں کے پیچھے سائے کی طرح لگے رہیں۔ اب یہی دیکھو! یہاں ایک کروڑ کی چوری اور قتل کی واردات ہوئی ہے اور ایسے ہی وقت اس علاقے کا سب سے بڑا بدمعاش دادا نواب یہاں آ دھمکا ہے۔''

ماں جی نے پریشان ہو کر انسپکٹر کو دیکھا۔ وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''بتاؤ نواب! تم جیل سے کب آئے؟ اتنی بڑی واردات میں تمہارے ہی جیسے ٹپوری کا ہاتھ ہو

سکتا ہے۔''

وہ بولا۔ ''میں آج صبح نو بجے جیل سے باہر آیا ہوں۔ اگر وہ واردات نو بجے کے بعد ہوئی ہے تو آپ مجھ پر شُبہ کر سکتے ہیں۔''

''قتل اور چوری کی واردات گزشتہ رات کو ہوئی ہے لیکن تم اس علاقے کے تمام چوروں، بدمعاشوں اور قاتلوں کو جانتے ہو۔ کیا تم بتا سکتے ہو، کہ یہاں ایسا کون ہے جو چوری کی خاطر قتل بھی کر سکتا ہے؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''واہ انسپکٹر صاحب! آپ بھی خوب مذاق کرتے ہیں۔ مجھ سے میری ہی برادری والوں کا پتہ پوچھ رہے ہیں؟''

وہ اسے غصے سے گھورنے لگا۔ ماں نے آگے بڑھ کر ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''نواب! انسپکٹر صاحب جو پوچھ رہے ہیں، اس کا سیدھا جواب دے۔ میں برسوں سے اس گھر کا نمک کھا رہی ہوں۔ مالکن پر مصیبت آئی ہوئی ہے۔ یہ لوگ ان پر اور ان کے بیٹے پر شُبہ کر رہے ہیں۔ کیا تو ایسے میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا؟''

ایک طرف صوفے پر بیٹھی ہوئی جے شری نے اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ ''میں نہیں جانتی، وہ دشمن کون ہے، جس نے اتنی بے رحمی سے راکیش کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے؟ لیکن یہ ضرور جانتی ہوں کہ پولیس والوں سے پہلے تم ہی اسے تلاش کر سکو گے۔''

جے شری کی بات سن کر انسپکٹر دلیش پانڈے کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

وہ بولی۔ ''سوری انسپکٹر صاحب! آپ خود ابھی اس ٹپوری سے مدد مانگ رہے تھے، اس لئے میں بھی اس پر بھروسہ کر رہی ہوں۔ یہی میرے پتی کے قاتل کو ڈھونڈ کر قانون کی گرفت میں پہنچا سکتا ہے۔''

دادا نواب نے کہا۔ ''مجھے کسی پر شُبہ نہیں ہے لیکن ماں جی اگر مجھے بیٹا کہہ کر سینے سے لگا لے تو میں اس قاتل کو چوہے کے بل سے بھی نکال لاؤں گا۔''

جے شری نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے۔ تم قانون کا ساتھ دو گے تو قاتل بچ کر نہیں جائے گا۔''

دلیش پانڈے خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ لوہا لوہے کو

کاٹتا ہے۔اسی طرح ایک بدمعاش بڑی آسانی سے دوسرے بدمعاش کی گردن دبوچ سکتا ہے۔اس کیس کی تہہ تک ہم اس سے جلدی نہیں پہنچ پائیں گے۔

ماں نے بیٹے سے کہا۔''دیکھ نواب! مالکن اور یہ قانون کے محافظ تجھ پر اعتماد کر رہے ہیں تجھے بھی قانون کا احترام کرنا چاہئے۔''

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔''نہیں۔ایک سال کے بعد آیا ہوں۔ایک سال سے تیری گالیوں اور تیرے پیار کے لئے ترس رہا ہوں۔میں قانون کو نہیں سمجھتا۔تیری ممتا کا قانون کیا کہتا ہے؟ یہ بتادے۔''

''میری ممتا کا قانون کہتا ہے' جب تک تُو اس قاتل کو بے نقاب نہیں کرے گا، اور شریفانہ زندگی نہیں گزارے گا، تب تک میں تجھے بیٹا کہہ کر گلے نہیں لگاؤں گی۔''

اس نے بے بسی سے ماں کو دیکھا پھر کہا۔''تُو بہت ضدی ہے۔آخر ماں کس کی ہے؟ جا! تُو بھی کیا یاد کرے گی کہ کس بیٹے کو جنم دیا ہے؟ میں تیرے گلے لگنے کی خاطر اس سالے مجرم کو تلاش کروں گا اور بہت جلد اسے تیرے قدموں میں لاگراؤں گا لیکن تُو اپنا وعدہ یاد رکھنا۔''

ماں کے دل سے ایک بے چین سی دعا نکلی۔''یا خدا! میرا بیٹا جلد ہی اس قاتل تک پہنچ جائے۔اس کی صورت دیکھ کر ممتا تڑپ گئی ہے۔کلیجے میں آگ سی لگ رہی ہے۔اسے سینے سے لگاؤں گی، تب ہی یہ آگ ٹھنڈی ہوگی۔یا اللہ! میرے بچے کو کامیابی دے......آمین۔''

دلیش پانڈے دادا نواب کو ایک طرف لے گیا اور ڈکیتی اور قتل کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہنے لگا۔''میں جانتا ہوں، تم بڑے پہنچے ہوئے بدمعاش ہو۔پاتال میں چھپے ہوئے ٹپوریوں کی ہم سے زیادہ جانکاری رکھتے ہو۔''

اس نے پوچھا۔''کتنا مال چوری ہوا ہے؟''

وہ بولا۔''ساٹھ لاکھ روپے نقد اور تقریباً بیس لاکھ کے زیورات چرائے گئے ہیں۔بہت بڑی ڈکیتی ہے۔وہ مجرم ان زیورات کی وجہ سے گرفت میں آسکتا ہے۔''

وہ سن رہا تھا اور دماغ میں منظور چاچا کا نام گردش کر رہا تھا۔چلمن کے سرہانے سے

چرائی ہوئی وہ بڑی رقم اسے قاتل کا پتہ سمجھا رہی تھی لیکن یہ بات بھی کھٹک رہی تھی کہ کوئی بوڑھا اتنی بڑی واردات نہیں کرسکتا۔گھوم پھر کے ایک ہی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ اس بوڑھے نے کسی قاتل کا ساتھ دیا ہے، بلکہ اب تک دے رہا ہے۔

دلیش پانڈے نے کہا۔''ہم نے شبہے کی بنیاد پر یہاں کے نائٹ چوکیدار کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کیا ہے۔ہمارا خیال ہے' وہ کسی مجرم کا ساتھ دے رہا ہے۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے انسپکٹر کو دیکھا پھر پوچھا۔''اس نے کیا بیان دیا ہے؟''

''وہ اس معاملے سے لاتعلقی ظاہر کررہا ہے لیکن میرا تجربہ کہتا ہے کہ وہ......''

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔''اب آپ اپنے تجربے کو نہیں' دادا نواب کے تجربے کو آزمائیں۔بس آپ کا تعاون میرے لئے ضروری ہوگا۔''

''میں بھرپور تعاون کروں گا، لیکن کچھ تو بتاؤ، تم اصل مجرم تک کیسے پہنچو گے؟''

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔''سب کچھ بتادوں، اپنے پاس کچھ نہ رکھوں؟ اگر ہم ٹپوری اپنی ہنرمندی آپ جیسے محنت کشوں اور فرض شناسوں کو بتادیں گے تو ہماری دال روٹی کیسے چلے گی؟''

دلیش پانڈے نے ایک ذرا ٹھٹک کر اسے دیکھا۔اس نے کہا۔''آپ میرا موبائل نمبر نوٹ کرلیں۔ہمارے درمیان رابطہ رہے گا تو کسی حد تک آسانی ہوگی۔''

دلیش پانڈے نے اس کے بتائے ہوئے نمبر کو اپنی ڈائری میں نوٹ کیا۔پھر دایاں ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔''میں مجرموں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔تم سے ملا رہا ہوں کیونکہ تم اس وقت مجرم نہیں ہو، ایک ماں کے فرمانبردار بیٹے ہو اور اس کے گلے لگنے کی خاطر شریف آدمی بننے جارہے ہو۔میں ایک بیٹے کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے ہاتھ بڑھا رہا ہوں۔''

نواب نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا، پھر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔''ممتا بڑی چیز ہوتی ہے انسپکٹر صاحب! اس کی قدر اسی کو ہوتی ہے، جو اس کی آغوش میں آنے کے لئے ترستا رہتا ہے۔ماں جی کے گلے لگنے کے لئے مجھے آگ کا دریا بھی پار کرنا پڑے گا تو میں ضرور پار کروں گا۔''

اس نے ایک نظر دور کھڑی ہوئی ماں جی پر ڈالی، پھر انسپکٹر سے مصافحہ کر کے بیرونی دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ احاطے سے گزرتے ہوئے اس نے جیب سے وہ نوٹ نکالے جو چلمن کے سرہانے سے چرائے تھے۔ وہ انہیں مٹھی میں دباتے ہوئے بولا۔ ''یہ نوٹ ہی مجھے اس قاتل تک پہنچائیں گے۔''

وہ انہیں دوبارہ جیب میں ٹھونستا ہوا وہاں سے جانے لگا۔

☆======☆======☆

شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ اس وقت دادا نواب کو اپنی عادت کے مطابق کسی شراب خانے میں ہونا چاہئے تھا لیکن وہ خلافِ معمول ایک چھپر ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس کی جیب میں وہ نوٹ رکھے ہوئے تھے۔ وہ انہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

''منظور چاچا بہت غریب ہے۔ پھر اتنے سارے روپے اس کی بیمار بیٹی کے سرہانے کہاں سے آ گئے؟''

اس نے چائے کی ایک چسکی لیتے ہوئے سوچا۔ ''کیا اسّی لاکھ روپے کی چوری اور راکیش گپتا کا مرڈر اس بوڑھے گارڈ نے کیا ہے؟''

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے سوچا۔ ''مگر کوئی بوڑھا اور کمزور کسی ہٹے کٹے بندے کو کیسے قتل کر سکتا ہے؟ ہو سکتا ہے، اس نے کسی مجرم سے گٹھ جوڑ کیا ہو۔ اسے کوٹھی میں جانے کی سہولت دی ہو اور اس چور نے اس کی غریبی دور کرنے کے لئے چند ہزار روپے دے دیئے ہوں۔ وہ بوڑھا قاتل تک پہنچنے کی سیڑھی بن سکتا ہے۔''

دادا نواب نے سوچا' تھانے جائے اور بوڑھے کو دھمکی دے کر ساری حقیقت اگلوا لے لیکن وہ تھانے نہیں گیا۔ اس نے سوچا' ایک بوڑھے نے اپنے حالات سے مجبور ہو کر جرم کیا ہو گا' یا کسی کے جرم میں شریک ہوا ہو گا'۔ اس لئے وہ دھمکیوں میں نہیں آئے گا۔ بیٹی کی خوشیوں کے لئے جیل میں رہنا پسند کرے گا مگر حقیقت نہیں اگلے گا۔

اس نے منظور چاچا سے ملنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ کوئی دوسری تدبیر سوچنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا اور چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔ اس کے سامنے ہوٹل کی دیوار پر مشہورِ زمانہ فلم دیوداس کا پوسٹر لگا ہوا تھا۔ اس پوسٹر میں مادھوری ڈکشٹ بڑی ادا کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی تھی اور اپنا ایک ہاتھ ماتھے کے قریب لا کر سلام کرنے کے انداز میں

دکھائی دے رہی تھی۔

دادا نواب کی نظریں اس پر جم گئیں۔ اسے یوں لگا جیسے یہ حسن اور یہ ادائیں وہ پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔ ہاں اس نے دیکھا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ پوسٹر کی تصویر زندہ ہونے لگی اور چلمن کے حسن و شباب میں ڈھلنے لگی۔ چند لمحوں بعد ہی اسے یوں لگا جیسے وہ بڑی اداؤں کے ساتھ جھک کر اسے سلام کر رہی ہے۔

وہ بڑی لگن سے ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کے بدن میں بجلیاں بھر گئی تھیں۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ادھر سے ادھر تھرک رہی تھی اور جھوم جھوم کر ناچ رہی تھی، گا رہی تھی۔ ”یہ کس کی ہے آہٹ

یہ کس کا ہے سایہ
ہوئی دل میں دستک
یہاں کون آیا
ہم پہ یہ کس نے ہرا رنگ ڈالا
خوشی نے ہماری ہمیں مار ڈالا اللہ!“

گانے کے بول اور اس کی ادائیں ایسی تھیں کہ وہ اچانک ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ سینے پر دل کی جگہ ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”مار ڈالا۔ اللہ! مار ڈالا......“

اس کی آواز پر سب ہی چونک گئے، گردن گھما گھما کر اسے دیکھنے لگے۔ ایسے ہی وقت ہنگامہ نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔ ”کیا ہوا دادا! طبیعت تو ٹھیک ہے؟ ایک تو اس وقت چائے کے ہوٹل میں اور پھر یہ گانا وانا؟ کیا بات ہے؟“

وہ اچانک ہی جیسے ہوش میں آ گیا۔ سر کھجاتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر جھینپ کر بولا۔ ”کچھ نہیں یار! بس ذرا......“

پھر وہ اسے اپنے سامنے والی کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ ”تُو سنا کیا خبر لایا ہے؟“

”اپنے علاقے سے جڑنے والے اس بڑے محلے میں چوری اور قتل کی واردات ہوئی ہے۔ کسی نے بڑا ہی لمبا ہاتھ مارا ہے، برتن بتا رہا تھا۔ تقریباً اسّی نوے لاکھ کی چوری ہوئی ہے۔“

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میں جانتا ہوں۔ ماں جی اسی کوٹھی میں کام کرتی ہے۔ اس نے اس قاتل کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری مجھے سونپی ہے۔ کہتی ہے، جب تک میں اس قاتل کو پکڑ کر قانون کے حوالے نہیں کروں گا، تب تک وہ مجھے سینے سے نہیں لگائے گی۔“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”تمہاری ماں جی بھی خوب ہے۔ کڑھائی دیکھ کر تیل ڈالتی ہے۔ اب اسے پورا یقین ہوگا کہ تم اس کے سینے سے لگنے کے لئے قاتل کو پاتال سے اور سات سمندروں کی تہہ سے بھی نکال لاؤ گے۔“

وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔ ہنگامہ نے کہا۔ ”مجھے بتاؤ، میری کیا ڈیوٹی ہے؟“

”مِس یونیورس کے پاس جو لڑکی ہے اس کا کیا بنا؟“

”ابھی میں اس طرف نہیں گیا۔“

”میں اس قاتل تک پہنچنے کی پلاننگ کر رہا ہوں۔ تُو مِس یونیورس کی طرف جا۔ اسے سمجھا منا۔ ہم سے اڑیاں کرے گی تو بُری طرح پچھتائے گی۔ وہ آنے والی دھندہ نہیں کرتی ہے تو ہم بھی اسے کچرے کی ٹوکری سمجھ کر نہیں بلا رہے ہیں، صرف نئے اور کورے ہاتھوں سے جام پینے کی تمنا......“

اسے ایکدم سے چپ لگ گئی۔ چشمِ تصور میں اس بیمار حسینہ کے نازک اور خوبصورت ہاتھ جام پیش کر رہے تھے اور زبانِ بے زبانی سے پوچھ رہے تھے۔ ”کیا ان ہاتھوں کے بعد بھی کسی کی تمنا رہے گی؟“

اس نے بے اختیار کہا۔ ”نہیں۔ اس کے بعد تو پیاس ہی بجھ جائے گی۔ کسی کے ہاتھوں میں اتنی نزاکت اور کشش نہیں ہے کہ تمہاری جگہ لے سکے۔“

ہنگامہ اسے دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”دادا! یہ کس سے بول رہے ہو؟“

وہ خیالات سے چونک گیا۔ ”آں..؟“

اس نے سامنے بیٹھے ہوئے حواری کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ ”کچھ نہیں... وہ ہم کیا بات کر رہے تھے؟“

"وہ مس یونیورس نئی دکان چمکانے والی ہے اور ہمیں ٹرخا رہی ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "کب تک میری انگلی پکڑ کر چلتے رہو گے؟ جاؤ یہاں سے..... جیسے بھی بات بنتی ہے بناؤ۔ کوئی گڑبڑ ہو تو مجھے بلا لینا۔"

ہنگامہ جانے کے لئے اٹھ گیا۔ دادا نواب نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب سے دو گھنٹے بعد تجھے رگھو کے قمار خانے میں ملوں گا۔"

ہنگامہ ایک طرف گیا۔ وہ دوسری طرف جانے لگا۔ کوئی ارادہ نہیں تھا' کوئی منزل نہیں تھی۔ اچانک پتہ چلا کہ وہ بے اختیار چلمن کے در پر جا رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ "وہ سالی بیمار اور کمزور سی لڑکی میرے حواسوں پر کیوں چھا رہی ہے؟ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا کہ میں نے کسی ہیروئن کو دیکھ کر کسی اور کا تصور کیا ہو۔ اس تصور نے تو مجھے ڈرامہ ہی بنا دیا تھا۔"

وہ سوچ رہا تھا۔ "میں بھی کتنا عجیب ہوں؟ اسے پانی پلانے تک' اس کے قریب رہنے تک اس سے متاثر ہوتا رہا تھا۔ جب اس کے سرہانے سے روپے چرائے تو اسے بھول ہی گیا۔ کئی گھنٹے گزر گئے، اس کی یاد نہیں آئی اور میں ایسا ہوں بھی نہیں کہ کسی چھوکری کو یاد کروں لیکن وہ تو آپ ہی آپ خیالوں میں آنے لگی ہے۔"

صرف خیال آتا تو کوئی بات نہ تھی مگر وہ تو تصور میں مجسم ہو گئی تھی۔ گہری آنکھیں، گورا مکھڑا اور بھرے بھرے گداز بدن کا لمس۔ مکھن کے وہ تمام جلوے ذہن کے کسی چور گوشے میں گوشہ نشیں ہو گئے تھے۔ اس پوسٹر کو دیکھتے ہی اجاگر ہونے لگے تھے اور اب اس کے بڑھتے ہوئے قدم کہہ رہے تھے۔ "تیرے در پر صنم چلے آئے......"

اس نے دل کو سمجھایا کہ وہ چلمن کی صورت دیکھنے نہیں جا رہا ہے۔ وہ تو اس رقم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے جا رہا ہے۔

وہ چلتے چلتے اس محلے کے بازار میں پہنچ گیا۔ وہاں سے اس نے پھل خریدے، پھولوں کا ایک گلدستہ اور تین درجن رنگا رنگ چوڑیاں خریدیں۔ پھر صنم کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ اندر جاتے ہوئے جھجک سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے سوچا' اس سے کیا کہے گا کہ یہ ساری چیزیں کیوں لایا ہے؟ کس لئے لایا ہے؟ پھولوں کا تحفہ تو اپنوں کو

دیا جاتا ہے۔ چوڑیاں دینے کا مطلب بہت گہرا ہوتا ہے۔ وہ بیمار لڑکی اس کی کیا لگتی ہے؟

اس نے دروازے کو دیکھا۔ باہر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ رضیہ بی بی دروازے کو باہر سے بند کر کے اپنے مکان میں گئی ہے۔

وہ کنڈی کھول کر اندر آ گیا۔ پہلے کمرے سے گزرتا ہوا دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ سامنے ہی بستر پر وہ لیٹی ہوئی تھی۔ آہٹ سن کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ نگاہوں میں وہی ظالم کشش تھی۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "تم نے مجھے پہچانا؟"

وہ شرماتی ہوئی جھجکتی ہوئی اٹھ کر بیٹھنے لگی۔ وہ شیر کی طرح دہاڑتا ہوا کسی کے بھی گھر میں گھس جاتا تھا۔ اس وقت اس کے قدم دہلیز پر جم گئے تھے۔ کسی سے مرعوب نہ ہونے والے پر رعب حسن طاری ہو گیا تھا۔ پھر وہ جھجکتے ہوئے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمہیں پانی پلایا تھا۔ اس وقت تم پوری طرح ہوش میں نہیں تھیں۔"

اس نے ہولے سے سر ہلا کر اشارتاً کہا کہ وہ اسے پہچان گئی ہے۔ دادا نواب نے پھلوں کو ایک طرف رکھ دیا۔ بستر کے پاس رکھی ہوئی تپائی پر بیٹھ گیا پھر گلدستہ اور چوڑیاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ۔ میں تمہارے لئے لایا ہوں۔"

وہ جھکی جھکی نظروں سے پھولوں کو اور چوڑیوں کو دیکھنے لگی۔ دل یکبارگی تیزی سے دھڑکنے لگا۔ زندگی میں پہلی بار' یا یوں کہنا چاہئے کہ جوانی کی دہلیز پر پہلی بار کوئی چوڑیاں پہنانے اور پھول نچھاور کرنے آیا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا تمہیں پسند نہیں ہیں؟"

اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر چوڑیاں لے لیں۔ نصیب دے رہا ہو تو بدنصیب کو ہاتھ بڑھا کر لے لینا چاہئے۔ وہ زبان سے کچھ نہیں بول رہی تھی' مگر بڑے شوق سے چوڑیوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ بڑی خاموشی سے سمجھا رہی تھی کہ یہ اس کا سب سے پسندیدہ اور اس کے لئے سب سے قیمتی تحفہ ہے۔

وہ اسے خوش دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ وہ ان چوڑیوں کو اپنی بیمار کلائیوں میں پہننے لگی۔ دادا نواب کو پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ دس بیس روپے کی چوڑیاں کسی حسینہ کے ہاتھ میں پہنچتے ہی کتنی قیمتی نظر آنے لگتی ہیں؟ وہ بولا۔ "یہ چوڑیاں پہن کر تم بیمار نہیں لگ رہی

ہو۔تمہارے چہرے پر زندگی آ گئی ہے۔''

وہ خوشی سے نظریں جھکاتے ہوئے بولی۔''تم.....بہت اچھے ہو۔''

نواب نے چونک کر اسے دیکھا پھر تپائی پر سے اُٹھ کر چارپائی کے سرے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔''آج تک کسی نے مجھے اچھا نہیں کہا۔ایک بار پھر کہو۔''

''ایک نہیں، ہزار بار کہوں گی۔میں پانی کے ایک گھونٹ کے لئے ترس رہی تھی۔اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے اب تب میں میری جان نکلنے والی ہے۔اگر تم نہ آتے تو شاید میرا دم نکل جاتا۔''

وہ بول رہی تھی کانوں میں رس گھول رہی تھی۔وہی گانے کے بول سماعت میں گنگنانے لگے۔''خوشی نے ہماری ہمیں مار ڈالا۔اللہ، مار ڈالا... ہائے مار ڈالا...''

لیکن وہ تو مرنے کی نہیں' جینے کی باتیں کر رہی تھی۔کہہ رہی تھی۔''رضیہ چاچی بھی بس یوں ہی کیچڑ اُچھالتی ہیں' کہہ رہی تھیں کہ تم چور ہو، بہت بڑے بدمعاش ہو۔میں نہیں مانتی۔ایک بدمعاش فرشتہ بن کر کیسے آ سکتا ہے؟''

نواب نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔زندگی میں پہلی بار اپنے ٹپوری ہونے پر افسوس ہو رہا تھا۔وہ بولا۔''تم نادان ہو۔اس دنیا میں بہت سے بدمعاش فرشتے بن کر رہتے ہیں اور لوگ ان کی عزت کرتے ہیں لیکن میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا، اپنی اصلیت نہیں چھپاؤں گا۔میں۔میں واقعی ایک بدنام آدمی ہوں۔''

وہ محسوس کر رہا تھا کہ بات کرتے کرتے اس کا سر جھکتا چلا جا رہا ہے۔چلمن بے یقینی سے دیدے پھیلائے اسے دیکھ رہی تھی پھر بولی۔''کیا سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں۔میں اس علاقے کا دادا ہوں' جو بات میرے مزاج کے خلاف ہو' اسے برداشت نہیں کرتا۔اپنا حق مانگتا نہیں' چھین لیتا ہوں۔اس لئے دادا کہلاتا ہوں۔''

وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔''تو۔تو تم نے ہی میرے سرہانے سے روپے چرائے ہیں؟''

وہ بڑے فخر سے کہا کرتا تھا کہ وہ چور ہے لیکن ایک لڑکی کے پیسے چرا کر اعتراف کرتے ہوئے ندامت سی ہو رہی تھی۔اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔وہ اسے گھور

رہی تھی۔وہ بولا۔''میں انکار کر سکتا ہوں، کیونکہ تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ رقم میں نے چرائی ہے۔پھر بھی اعتراف کرتا ہوں، ہاں۔میں نے ہی اس تکیے کے نیچے سے چوبیس ہزار روپے نکالے ہیں۔''

وہ اسے گھور رہی تھی پھر بولی۔''ایک پیاسی مرنے والی لڑکی کو پانی پلانے کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔تم نے صرف چوبیس ہزار روپے کیوں لئے؟''

چلمن نے ایسی زبردست چوٹ کی تھی کہ وہ تلملا کر رہ گیا۔سخت لہجے میں بولا۔''مجھے طعنے نہ دو۔میں نے پانی پلانے کی قیمت وصول نہیں کی ہے۔تمہارے سرہانے حرام کے پیسے تھے۔اس لئے میں اٹھا کر لے گیا۔''

''تم اپنی چوری کو جائز قرار دینے کے لئے ان روپوں کو حرام کہہ رہے ہو؟ وہ میرے بابا نے مجھے دیئے تھے۔''

''وہ کتنے روپے تھے؟''

''پورے پچیس ہزار تھے۔ڈاکٹر کی فیس اور دواؤں کے اخراجات کے بعد چوبیس ہزار باقی بچے تھے۔بابا انہیں میرے سرہانے رکھ کر گئے تھے۔''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔''مہینے کی آخری تاریخوں میں ایک غریب چوکیدار کے پاس اتنے روپے کہاں سے آ گئے؟''

''میں نہیں جانتی۔اس وقت مجھے زور کا بخار تھا۔بات کرنے کی بھی سکت نہیں تھی۔میں نے بابا سے نہیں پوچھا۔مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ محنت کی روزی کمانے والے ہیں۔حرام مال کبھی کہیں سے نہیں لا سکتے۔''

''یہ تو بتایا ہوگا کہ اتنی بڑی رقم کہاں سے آ گئی ہے؟''

وہ فوراً ہی جواب نہ دے سکی' ذرا توقف کے بعد بولی۔''انہوں نے تاکید کی تھی کہ میں اس رقم کا ذکر کسی سے نہ کروں۔شاید اس لئے تاکید کی تھی کہ بات پھیلے گی تو چور اُچکے اس گھر کو تاکنے لگیں گے۔''

اس نے کہا۔''تم اپنے باپ کے چوری کئے ہوئے روپوں کو جائز بنانے کے لئے کتنی باتیں بنا رہی ہو؟ زوروں کا بخار تھا، بات کرنے کی سکت نہیں تھی، اس لئے باپ سے

یہ نہ پوچھ سکیں کہ وہ روپے کہاں سے لایا ہے؟ مجھ سے پوچھو۔ میں بتاتا ہوں۔''

چلمن ناراضگی سے بولی۔ ''تم کیا بتاؤ گے؟ تمہاری چوری کھل گئی ہے۔ اس لئے تم بابا کو بھی چور کہو گے۔''

نواب مسکراتے ہوئے بولا۔ ''تمہارا باپ چور نہیں ہے۔ بہت ایماندار ہے۔ اسی لئے اپنا بڑھاپا حوالات میں گزارنے گیا ہے۔''

چلمن ایکدم سے چونک گئی۔ سخت لہجے میں بولی۔ ''تمہارے منہ میں آگ لگے۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

دادا نواب قہقہہ لگانے لگا۔ اس نے جھلا کر اسے دیکھا پھر اسی کے لائے ہوئے گلدستے کو پھینک کر اسے مارا۔ ایک طرف وہ چوڑیاں کلائیوں میں چیخ رہی تھیں اور دوسری طرف وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ ''چاچی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ تُو چور ہے، بدمعاش ہے، نکل جا یہاں سے....''

وہ اس کی نازک سی کلائی کو جکڑ کر بولا۔ ''میری جان! پھولوں سے کیا مارتی ہو؟ ایک بار آنکھ مار دو۔ میں خود ہی مر جاؤں گا۔''

وہ پھر قہقہے لگانے لگا۔ وہ اپنی کلائی چھڑانے کے لئے زور لگا رہی تھی۔ اسے بخار نہیں تھا۔ طبیعت سنبھل گئی تھی۔ پھر بھی کمزوری باقی تھی۔ وہ غصے سے ہانپ رہی تھی اور مچل مچل کر اپنی کلائی چھڑانے کی کوششیں کر رہی تھی۔ وہاں پہنی ہوئی چند چوڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بستر پر بکھر رہی تھیں۔

وہ اس کی جدوجہد کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اری تُو تو بڑی زوردار ہے۔ بیماری میں اتنا زور دکھا رہی ہے۔ پھر تو نواب سے تیری خوب نبھے گی۔ ماں قسم! جب سے تجھے دیکھا ہے، سالا یہ دل قابو میں نہیں ہے۔ فلم کے پوسٹر کو دیکھتا ہوں تو تُو آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتی ہے۔ آج تک میں نے کسی سالی کے لئے پھول اور پھل نہیں خریدے، تیرے لئے خریدے ہیں اور تُو ہے کہ مزاج دکھا رہی ہے؟ ہت تیرے نخرے میں گرم مسالہ......''

یہ کہتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا۔ پھر بازوؤں میں بھر لیا۔ اس کے فولادی سینے سے ٹکراتے ہی جیسے سانسیں رکنے لگیں۔ پہلے ہی کمزوری سے

ہانپ رہی تھی، ایسے میں اس کا جارحانہ انداز اسے ہلکان کرنے لگا۔ وہ ہاتھ چلا رہی تھی، اسے مار رہی تھی، لیکن ہونٹوں پر ایسی مہر لگ چکی تھی کہ سانس لینا دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ دھڑکنیں گڈمڈ ہوتی جا رہی تھیں۔

کچھ دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا پھر اس نے ایک جھٹکے سے اسے آزاد کر دیا۔ وہ دوپٹے کے کونے سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے بولی۔ ''ذلیل! شیطان....!''

اس نے پھر اسے جکڑ لیا۔ چہرے پر جا بجا اپنے نام کی مہر ثبت کرنے لگا۔ پھر اسے ذرا دم لینے کا موقع دیتے ہوئے بولا۔ ''تُو جتنی گالیاں دے گی، میں اُتنا ہی پیار کروں گا۔ چل! پھر سے گالیاں دے۔''

اس نے سہم کر اسے دیکھا۔ ''کیا مصیبت ہے؟ شیطان کو شیطان بھی نہیں کہہ سکتی۔''

یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ وہ منہ زور ہے۔ ایسوں کو سینہ تان کر نہیں' سر جھکا کر رام کیا جاتا ہے۔ چلمن خاموش نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ نواب بھی اس پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے چلمن کو اپنی جاگیر سمجھا تھا۔ وہ ڈاکو بن کر حملہ کرنے والا نہ جانے کیوں یک بیک اچھا لگنے لگا۔ اس نے گھبرا کر سوچا۔ ''یہ اچھا کیوں لگ رہا ہے؟ جبکہ اس نے ناقابلِ برداشت حرکت کی ہے؟''

عورت کو دوسرے کیا سمجھیں گے؟ جبکہ ایسے وقت وہ خود کو سمجھ نہیں پاتی۔ وہ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ظلم کرنے والا اس کے حواسوں پر کیوں چھانے لگا ہے؟ جی چاہ رہا تھا' وہ ایک بار پھر ٹوٹ پڑے۔ پتھر تلے حنا کو پیس ڈالے۔ مہندی کی سرخی سے سہاگن بنا ڈالے۔ وہ شاید اس کے تیور سمجھ گیا تھا۔ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''دے ناں... گالیاں دے.... ذرا اور بھڑکا دے مجھے.... ذرا سی پھونک مار پھر دیکھ شعلہ کیسے بھڑکتا ہے؟''

اس نے ایکدم سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ شرم آنے لگی تھی۔ نواب اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنی طرف کرتے ہوئے بولا۔ ''اے چلمن! تیری حیا کی چلمن پہلی بار دادا نواب نے اٹھائی ہے۔ آج سے تُو میرے لئے ہے اور میں تیرے لئے۔ مجھے

محبت والے ڈائیلاگ بولنے نہیں آتے۔ سیدھی سی بات کہتا ہوں ہوں، میری محبت سے انکار کرے گی تو تجھے زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا۔''

اس نے جھجکتے ہوئے پلکیں اٹھائیں۔ وہ بولا۔ ''ماں قسم! تیری ان آنکھوں نے مجھے مار ڈالا ہے۔ تُو بہت خوبصورت ہے۔ میں بُرا ہوں لیکن کبھی کسی عورت کو نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ تُو پہلی ہے جو میرے دل کی دھڑکنوں سے لگ رہی ہے۔''

وہ ایک ذرا سمٹ گئی۔ دھڑکتا ہوا، مچلتا ہوا دل کہہ رہا تھا۔ ''تُو بھی وہ پہلا شخص ہے جو میرے دل کو لگ رہا ہے۔''

دادا نواب اس کے چہرے کو انگلیوں کی پوروں سے سہلاتے ہوئے بولا۔ ''یہ جو تیری آنکھیں ہیں، یہ صرف میرا انتظار کرنے کے لئے ہیں اور یہ جو تیرے ہونٹ ہیں، ان پر خدا کے بعد صرف میرا نام مچلتا رہے گا۔ بول! کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں؟''

وہ کچھ نہ بولی۔ کوئی لڑکی نہیں بولتی۔ ایسے میں خاموشی اقرار بن جاتی ہے۔ اس نے کہا۔ ''ایک بار اپنے ہونٹوں سے میرا نام لے۔''

وہ شرمانے اور اس سے کترانے لگی۔ وہ اصرار کرنے لگا۔ وہ دھیمی سی آواز میں بولی۔ ''میں نام وام نہیں جانتی۔ بس جاؤ۔ ایسی ضد نہ کرو...''

وہ بڑا ضدی تھا، کہنے لگا۔ ''اب میں منہ سے نہیں بولوں گا۔ تجھے بازوؤں میں بھر لوں گا۔ جب تک میرا نام نہیں لے گی، نہیں چھوڑوں گا۔''

اس نے گداز بازو کو جکڑ لیا۔ پھر اس سے پہلے کہ اسے کھینچ کر اپنا چیلنج پورا کرتا وہ گھبرا کر بولی۔ ''نواب....! تجھے خدا کا واسطہ۔ ابھی میں بیمار ہوں، مر جاؤں گی۔''

وہ خوش ہو کر بولا۔ ''مریں تیرے دشمن۔ ماں قسم! ماں جی مجھے نواب کہہ کر بلاتی ہے تو دودھ کا چٹخارہ ملتا ہے۔ تیرے منہ سے تو رس ملائی ٹپکنے لگی۔ ایک بار پھر بول....''

وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ بولے بغیر نجات نہیں ملے گی۔ جکڑ لیا تو رہائی کے لئے پھڑ پھڑاتی رہے گی۔ وہ دھیرے سے بولی۔ ''نواب!''

وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''ہائے! نواب کہتی ہے یا چھری چلاتی ہے؟ کلیجہ کاٹ کر رکھ دیا ہے۔''

چلمن اس کے چہرے پر پیار بھری مسرتیں دیکھ رہی تھی۔ اس کا حال بھی اس سے الگ نہیں تھا۔ یہ سوچ سوچ کر عجیب سی بے خودی چھا رہی تھی کہ اس بھری دنیا میں کوئی ہے جو اسے دیوانہ وار چاہنے لگا ہے۔ پہلے پیار کا خمار ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

ایسے ہی وقت چلمن کا چہرہ بجھ گیا۔ بابا کی یاد آئی تو محبت کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تُو اچھا نہیں ہے۔ میرے بابا کو چور کہتا ہے۔ کیا پیار کرنے والے اس طرح دل دکھاتے ہیں؟''

''میں نہیں کہتا۔ وہ تھانے والے تیرے بابا کو چور سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اسے حوالات میں بند کر رکھا ہے۔ یقین نہ ہو تو چاچی کو بلا کر پوچھ لے۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اس بھری دنیا ایک وہی میرے سرپرست ہیں۔ اگر وہ حوالات میں ہیں تو میرا کیا ہوگا؟''

''وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔ بابا نہیں ہے تو کیا ہوا؟ میں تو ہوں۔ زندگی کی آخری سانس تک تیرے ساتھ رہوں گا۔ جو کانٹا تیرے پاؤں میں چبھے گا وہ میرے دل میں چبھے گا۔ کیا تجھے اپنے نواب پر بھروسہ نہیں ہے؟''

اس نے بڑی محبت سے اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ ''بھروسہ ہے۔ تُو بہت اچھا ہے۔ ایسے وقت جبکہ میں ڈوب رہی ہوں، میرا کوئی نہیں ہے۔ تُو میرا سب کچھ بن کر آ گیا ہے۔ میں تجھ پر بھروسہ نہیں کروں گی تو کس پر کروں گی؟''

نواب بولا۔ ''اگر بھروسہ ہے تو سچ سچ بتا دے، وہ پچیس ہزار روپے کہاں سے آئے تھے؟''

''میں اس رقم کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ تُو نے خود دیکھا ہے، دوپہر تک میری طبیعت کتنی خراب تھی۔ صبح تو مجھے اپنا ہوش ہی نہیں تھا۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو بابا بڑی جلدی میں تھے، انہوں نے اس رقم کو میرے سرہانے چھپاتے ہوئے کہا کہ میں کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔ اس وقت مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں ان روپوں کو کسی صندوق میں چھپا دیتی۔''

دادا نواب گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ''اس کے بابا سے ملنا ہی ہوگا۔ اگر اس نے

چوری کی ہوگی تو چلمن کی خاطر اس بوڑھے کو بچانا ہوگا۔‘‘

ایسے ہی وقت رضیہ بی بی کی آواز سنائی دی۔ وہ دوسرے کمرے سے بولتی ہوئی آرہی تھی۔ ’’ارے میں نے باہر سے کنڈی لگائی تھی۔ کون یہاں آیا ہے؟‘‘

وہ فوراً ہی چارپائی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ چلمن بھی سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں آئی تو دادا نواب کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پھر اسے گھورتے ہوئے بولی۔ ’’اچھا تو تُو آیا ہے؟‘‘

’’ہاں۔ میں آیا ہوں۔ کیا مجھے نکالنے آئی ہے؟‘‘

’’میرے ہاتھ پاؤں میں دم ہوتا تو ضرور نکال دیتی۔ اب تُو شرافت سے چلا جا۔ اس طرح راتوں کو یہاں آئے گا تو یہ بے چاری مفت میں بدنام ہوجائے گی۔‘‘

’’کس کے منہ میں دانت ہیں جو اسے بدنام کرے گا؟ میں یہاں روز آؤں گا۔ صبح آؤں گا، شام آؤں گا، رات کو آؤں گا۔ جب میری مرضی ہوگی، چلا آؤں گا۔‘‘

’’تیرا کچھ نہیں بگڑے گا، محلے والے چلمن پر کیچڑ اچھالیں گے۔ فی الحال یہ میری ذمہ داری ہے۔‘‘

نواب تنبیہہ کے انداز میں ایک انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔ ’’دیکھ چاچی! تُو اور تیرے محلے والے تھانے کچہری پہنچ کر اس کے بابا کے کام نہیں آسکتے۔ اگر کوئی کام آسکتا ہے تو اس سے بول کہ وہ اس کے بابا کی رہائی کے لئے میرے ساتھ دوڑ دھوپ کرے اور اگر ہمت نہیں ہے تو کوئی میرے راستے میں نہ آئے۔‘‘

چلمن اس کی باتیں سن رہی تھی اور متاثر ہو رہی تھی۔ کمزور اور بیمار وجود میں کتنے ہی جذبے تھے جو یک بیک کلیوں کی طرح چٹک رہے تھے اور اسے چٹکیاں بھر رہے تھے۔ رضیہ بی بی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ’’ٹھیک ہے، یہ تھانے کچہری والے کام تُو ہی کر سکتا ہے لیکن یہاں ایک جوان لڑکی کے پاس بار بار آنا ٹھیک نہیں ہے۔‘‘

’’کیوں ٹھیک نہیں ہے؟ کیا میں مفت میں اس کے بابا کے لئے بھاگ دوڑ کروں گا؟ کوئی بھی کسی کا کام کرتا ہے تو رشوت لیتا ہے۔ مجھے اس کے پیار کی رشوت مل رہی ہے اور میں بھی اسے دل و جان سے چاہنے لگا ہوں۔‘‘

رضیہ بی بی نے حیرت سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ’’اے ہے۔ یہ کیا بول رہا ہے؟‘‘

چلمن بھی ایکدم سے جھینپ گئی تھی۔ وہ بولا۔ ’’کفر نہیں بول رہا ہوں۔ ایمان کی بات کہہ رہا ہوں۔ اس کا بابا رِہا ہو کر آئے گا تو میں اسے دلہن بنا کر لے جاؤں گا۔‘‘

رضیہ بی بی نے چلمن کی طرف دیکھا تو اس نے شرما کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ دادا نواب نے اپنی نئی نویلی چاہت کے بارے میں بہت کچھ کہا تھا، لیکن اس نے اپنی ایک شرمیلی ادا سے رضیہ بی بی کو سمجھا دیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ وہ اسی کی ڈولی میں بیٹھنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔

رضیہ بی بی نے کہا۔ ’’اس لڑکی کی خاموشی مجھے بہت کچھ سمجھا رہی ہے۔ جب دونوں ہاتھوں سے تالیاں بج رہی ہیں تو میں بیچ میں بولنے والی کون ہوتی ہوں؟‘‘

وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ چلمن نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ’’تُو میرے بابا کو کیسے چھڑائے گا؟‘‘

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ’’تیرے بابا پر صرف چوری کا نہیں، قتل کا بھی الزام ہے۔‘‘

وہ ایکدم سے چونک گئی۔ تیز آواز میں بولی۔ ’’نہیں۔ تُو جھوٹ بول رہا ہے۔‘‘

نواب نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ وہ اس کے بازو کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ ’’بول نواب! کہہ دے یہ جھوٹ ہے۔‘‘

’’میرے بول دینے سے حقیقت نہیں بدلے گی۔‘‘

چلمن بے بسی سے آنسو بہانے لگی۔ روتے ہوئے بولی۔ ’’وہ اپنے بوڑھے ہاتھوں سے کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔ کیا وہ پولیس والے اندھے ہیں؟‘‘

’’وہ اندھے نہیں ہیں۔ انہوں نے یہ سوچ کر بابا کو قید کیا ہے کہ اگر اس نے قتل نہیں کیا تو ضرور کسی قاتل کا ساتھ دیا ہے اور ایک نہ ایک دن وہ سچ اگل دے گا۔‘‘

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ’’میرے بابا ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔ وہ ایسے نہیں ہیں۔‘‘

نواب اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ''وہ ایسا نہیں ہے تو تُو ہی بتا۔ ایکدم سے یہ پچیس ہزار روپے اس کے پاس کہاں سے آگئے؟''

وہ الجھ کر بولی۔ ''میں کچھ نہیں جانتی۔ تُو بتا! اس مصیبت سے بابا کی جان کیسے چھوٹے گی؟''

''میں تیرے بابا سے ملوں گا۔ اس سے کہوں گا کہ وہ ساری سچائی مجھے بتا دے۔ اگر اس نے میرے ساتھ تعاون کیا اور اصل قاتل کا پتہ ٹھکانہ بتا دیا تو ماں قسم! وہ سالا قاتل اندر ہوگا اور تیرا ابا باہر......''

''کیا تُو بابا سے ملنے جائے گا؟''

نواب ایک ذرا سوچنے کے بعد بولا۔ ''میں خود نہیں جاؤں گا۔ تُو فکر نہ کر میرا کوئی بندہ پاکٹ مارنے کے الزام میں گرفتار ہو کر حوالات میں جائے گا اور تیرے بابا سے سب کچھ اگلوا لے گا۔ اس نے ہمارا ساتھ دیا تو تیرا نواب اسے سزا سے بچا لے گا۔''

چلمن مطمئن ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ ''کیا میں بابا سے نہیں مل سکتی؟ میں ان سے پوچھوں گی تو وہ مجھے سب کچھ بتا دیں گے۔''

''نہیں۔ تیرا ابا اگر کسی مجرم کا ساتھ دے رہا ہے تو وہ تیرے سامنے کبھی اقرار نہیں کرے گا۔ کیونکہ عورت کمزور ہوتی ہے، کوئی بھی اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر راز اگلوا سکتا ہے۔ وہ کبھی تجھے سچی بات نہیں بتائے گا۔''

''پھر تیرے آدمی کو کیسے بتائے گا؟''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آستین چڑھاتے ہوئے بولا۔ ''اپنے اپنے ہتھکنڈے ہوتے ہیں۔ جب میں بولنے پر مجبور کرتا ہوں تو گونگے بھی گھبرا کر بولنے لگتے ہیں۔''

چلمن نے ایک ذرا پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولا۔ ''تُو فکر نہ کر۔ میرا کام مجھ پر چھوڑ دے۔ مجھے ابھی جانا ہوگا۔''

وہ چارپائی سے اٹھنے لگی۔ دادا نواب نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔ وہ اس کے سہارے چلتی ہوئی دروازے تک آئی۔ پھر بڑی محبت سے بولی۔ ''جلدی آئے گا ناں؟''

نواب اسے سینے سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''کام ختم ہوتے ہی چلا آؤں گا۔ پہلے میرا کوئی انتظار کرنے والی نہیں تھی۔ میں باہر راتیں گزارتا تھا۔ اب تو جہاں بھی جاؤں گا، یہ دل گھر آنے کی جلدی کرتا رہے گا۔''

وہ خوش ہو کر بازوؤں کے حصار میں سمٹنے لگی، خود کو اس کے چٹانی وجود میں چھپانے لگی۔ وہ کچھ دیر تک چاہت کے نشے میں مدہوش رہے پھر نواب دروازہ کھول کر باہر چلا گیا اور چلمن دروازے کی چوکھٹ سے لگی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ آگے جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا لیکن اپنی بہت سی خوبصورت یادیں اس کے پہلو میں چھوڑ گیا تھا۔ ان یادوں کے سہارے وہ رات گئے تک اس کا انتظار کرنے والی تھی۔

☆======☆======☆

رات کے سات بج گئے تھے۔ مِس یونیورس کہیں جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ انجلی نے کہا۔ ''کیا تُو صاف ستھری زندگی نہیں گزار سکتی؟''

اس نے بالوں میں برش کر کے ایک جھٹکے سے انہیں پشت ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میں اس کیچڑ میں اس قدر دھنس چکی ہوں کہ اب باہر نکلنا بھی چاہوں گی تو میرے وجود سے اس کی گندگی نہیں دُھلے گی۔''

انجلی نے پوچھا۔ ''کیا وہ ہنگامہ نامی بندہ دوبارہ آیا تھا؟''

وہ ناگواری سے بولی۔ ''نہیں۔''

''پتہ نہیں وہ کیوں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے؟''

''یہ دنیا بڑی ظالم ہوتی ہے۔ گھر میں بیٹھی ہوئی شریف زادیوں کو کوٹھے پر پہنچا دیتی ہے اور تُو تو پھر میرے گھر میں ہے۔ سب تجھے کھلا لفافہ سمجھ رہے ہیں۔ وہ کونسلر منحوس بھی کہہ رہا تھا، کہاں سے نیا مال اڑا کر لائی ہے؟''

انجلی نے بڑے دکھ کے ساتھ سر جھکا لیا۔ اپنی بدقسمتی پر آنسو بہانے لگی۔ مس یونیورس اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''آنسو بہانے سے کبھی کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔''

''دل کا بوجھ تو ہلکا ہو جاتا ہے۔''

"دیکھ انجو! تجھے یہاں رکھنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔تو جب تک چاہے یہاں رہ سکتی ہے لیکن یہ دنیا والے......"

وہ بولتے بولتے چپ ہوگئی پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔"کاش! میں اچھی لڑکی ہوتی۔"

انجلی اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔"تو بُری نہیں ہے۔اس دنیا نے تجھے جیسا بنایا تو بن گئی۔"

"لیکن تو نے وعدہ کیا ہے،کبھی میری طرح حالات کے تھپیڑوں سے مات نہیں کھائے گی۔"

انجلی نے تائید میں سر ہلایا پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن اس سے پہلے ہی دروازے پر دستک سنائی دی۔مس یونیورس کمرے سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔"کون ہے؟"

باہر ہنگامہ کھڑا ہوا تھا۔اس کی آواز سن کر بولا۔"ہنگامہ ہوں،ہنگامہ برپا کرنے آیا ہے۔"

چھوٹے سے گھر میں اس کی آواز انجلی تک بھی پہنچ گئی۔اس نے ایکدم سے پریشان ہو کر اس طرف دیکھا۔پھر فوراً ہی اٹھ کر دروازے کی آڑ میں ہوگئی۔اس کی جھری سے بیرونی دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔مس یونیورس کمر پر ہاتھ رکھے کہہ رہی تھی۔"ارے تو تو بڑا بے غیرت ہے۔سمجھایا نا تیرے کو،وہ نہیں جائے گی۔مجھے لے جانا ہے تو بول۔"

"باسی ہمیں دے رہی ہے۔وہ تازہ مال کس لئے چھپا رہی ہے؟"

"وہ مال نہیں ہے۔ایک شریف زادی ہے۔بدقسمتی اسے میرے پاس لے آئی ہے۔"

"جب تیرے پاس لے آئی ہے تو اسے دادا کے پاس بھی بھیج دے،قسم سے تیرا حصہ تجھے مل جائے گا۔بیٹھے بٹھائے تیری جیب گرم ہو جائے گی۔ہماری پرانی جان پہچان ہے۔اس لئے نرمی سے بات کر رہا ہوں۔ورنہ مجھے ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنا خوب آتا

ہے۔"

"کیا کرے گا؟"

"ایک بات کہتا ہوں۔اسے میرے ساتھ بھیج دے۔ورنہ ایسی چڑیا کو اڑا کر لے جانا مشکل کام نہیں ہے۔"

"تو اسے اٹھا کر لے جائے گا؟ مجھے دھمکی دے رہا ہے؟"

وہاں گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔انجلی ان کی باتیں سن رہی تھی اور پریشان ہو کر ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔پھر اسے پچھلی طرف بنے ہوئے زینے کا خیال آیا۔وہ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے کے پچھلے دروازے سے باؤنڈری میں آگئی۔پھر اس لکڑی کے بنے ہوئے زینے کے ذریعہ اوپر جانے لگی۔چھت پر پہنچ کر سوچنے لگی کہ وہ اسے ڈھونڈتا ہوا اوپر آسکتا ہے۔

اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔دور تک چھتوں سے چھتیں ملی ہوئی تھیں،لیکن وہ ایک سے دوسری چھت پر نہیں جاسکتی تھی۔دھمک کی آواز سن کر کوئی بھی اوپر آسکتا تھا اور اسے پکڑ سکتا تھا۔اس نے نیچے جھانک کر دیکھا۔اونچائی اچھی خاصی تھی۔وہ پڑوس کی دیوار پر پاؤں رکھ کر سوچنے لگی۔"ادھر سے کودوں گی تو ٹھیک رہے گا۔پاؤں زخمی ہوں گے لیکن عزت تو محفوظ رہے گی۔"

اس نے بھگوان کا نام لے کر ایک جست لگائی اور دھپ کی آواز کے ساتھ زمین پر آگری۔ٹانگیں بُری طرح سنسنا گئی تھیں۔وہ کچھ دیر تک اٹھ نہ سکی،وہیں جم کر رہ گئی۔

دوسری طرف ہنگامہ نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔گھر میں گھس آیا تھا۔کمرے کی ایک ایک چیز کو اٹھا کر پھینک رہا تھا۔کچن میں،باتھ روم میں،اسٹور روم میں ہر جگہ انجلی کو تلاش کر رہا تھا۔پھر وہ پچھلی باؤنڈری کی طرف آیا۔مس یونیورس سمجھ گئی تھی کہ انجلی وہاں سے فرار ہوگئی ہے۔وہ مطمئن ہو کر ہنگامہ کو دیکھ رہی تھی۔وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔پھر سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر جانے لگا۔

انجلی وہاں سے اٹھ کر دوڑتی ہوئی اس گلی سے نکل چکی تھی۔کوئی منزل نہیں تھی۔سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرف جائے؟ وہ دوڑتے دوڑتے مین روڈ پر آگئی۔گہری گہری

سانسیں لے کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، دور ہنگامہ دوڑتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔

اس نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ یہ سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ اس سے تیز نہیں دوڑ سکے گی۔ آگے کہیں نہ کہیں پہنچ کر اس کے ہتھے چڑھ جائے گی۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی، پھر سڑک کے کنارے دوڑنے لگی۔ ایسے ہی وقت دور ایک ٹیکسی دکھائی دی۔ وہ دوڑتی ہوئی اس کے قریب آئی اور پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''بھیا! جلدی چلو۔ میری جان کو خطرہ ہے۔''

ٹیکسی میں اندھیرا تھا۔ ڈرائیور اس کی آواز سن کر چونک گیا۔ عقب نما آئینے کو سیدھا کرتے ہوئے زیرِلب مسکرایا پھر ٹیکسی کو اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگا۔ ہنگامہ نے اسے ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں سے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنی جیپ مِس یونیورس کی گلی میں ہی چھوڑ آیا تھا۔ اس نے جھنجھلا کر ایک پتھر اٹھایا پھر اس ٹیکسی کی سمت اچھال دیا۔ وہ انجلی سمیت اس کی پہنچ سے دور جا چکی تھی۔

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ اس علاقے سے بہت دور نکل آئی تھی۔ اس نے سیٹ کی پُشت سے ٹیک لگا کر ایک گہری سانس لی پھر کھڑکی سے باہر گزرتے ہوئے مختلف علاقوں کو دیکھتے ہی چونک گئی۔ حواس کسی حد تک قابو میں آ گئے تھے۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ ٹیکسی اس علاقے کی طرف جا رہی تھی، جہاں اس نے پٹ نائیک کے ساتھ ازدواجی زندگی کے چند روز گزارے تھے۔

اس نے پریشان ہو کر ڈرائیور سے پوچھا۔ ''یہ۔ یہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟''

وہ زیرِلب مسکرا رہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ ٹیکسی اس گلی میں مڑ چکی تھی جہاں پٹ نائیک کا مکان تھا۔ اس چھوٹے سے علاقے کے چھوٹے چھوٹے گھروں میں رہنے والے افراد گلی میں دکھائی دے رہے تھے۔ وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی۔ ''کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ مجھے یہاں نہیں جانا ہے۔ ٹیکسی روکو...''

وہ اس بار بھی خاموش رہا۔ اسے تشویش ہونے لگی۔ اس نے گھبرا کر ڈرائیو کو دیکھا۔ وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی گزرتی ہوئی روشنی کھڑکی کے راستے اندر آ رہی تھی، کبھی اندھیرا پھیلا رہی تھی اور کبھی اجالا۔ اس اندھیرے اجالے میں

وہ ڈرائیور کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

ایسے ہی وقت ٹیکسی ایک جھٹکے سے رُک گئی۔ اس نے چونک کر باہر دیکھا، نگاہوں کے عین سامنے وہ مکان دکھائی دے رہا تھا جو کبھی اس کے لئے ایک پناہ گاہ ثابت ہوا تھا۔ مگر نائیک نے اس کے ساتھ جو ظلم کیا تھا، اس کے بعد سے اسے صرف نائیک سے ہی نہیں بلکہ ہر اس چیز سے نفرت ہو گئی تھی جو اس کی ذات سے وابستہ تھی۔

اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''کک۔ کون ہو تم......؟''

اس نے اندر کی لائٹ آن کرتے ہوئے سر گھما کر پیچھے دیکھا۔ انجلی پر جیسے بجلی گر پڑی۔ وہ وہی تھا، اپنا بھرم قائم رکھنے کی خاطر پتنی کو داؤ پر لگانے والا شیطان۔ انجلی کا جی چاہ رہا تھا، اسے گریبان سے پکڑ کر پوچھے کہ وہ اس کی دھرم پتنی تھی کوئی رکھیل نہیں تھی، کوئی خریدا ہوا مال نہیں تھی کہ جسے اس نے کسی دلال کی طرح داؤ پر لگا دیا۔

اس کا جی چاہ رہا تھا، وہ اتنی زور زور سے چیخے کہ اس کی چیخوں سے در و دیوار دہل جائیں، پوری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اس کے ساتھ کیسا ظلم ہوا ہے، زندگی اس کے ساتھ کیسا بھیانک مذاق کرتی رہی ہے۔ وہ اپنوں کی ستائی ہوئی، پتی کے گھر کو سورگ (جنت) سمجھنے والی کیسے دربدر کی ہو گئی ہے؟

سینے میں یہ سوال ابھرا ابھر کر دم توڑ رہا تھا کہ اس دنیا میں وہ کون سا گھر ہے جہاں وہ محفوظ رہ سکتی ہے؟ بھائی کا گھر، پتی کا گھر، پتی کے دوست کا گھر اور پھر اپنی سہیلی کا گھر وہ کہیں بھی محفوظ نہیں تھی۔ ہر جگہ ہوس کے غلام چلے آ رہے تھے۔ جگہیں بدل رہی تھیں، لیکن حالات کے تیور نہیں بدل رہے تھے۔

اس گھٹیا انسان کو کھری کھری سنانے کے لئے اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ سینے میں لعن طعن کا لاوا ابل رہا تھا۔ وہ سوچتی ہی رہ گئی، وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میری جان! شادی کے بعد ہم جنم جنم کے ساتھی بن گئے ہیں۔ اس لئے بچھڑنے کے بعد پھر مل گئے ہیں اور دیکھو تو کیسے فلمی انداز میں ملے ہیں؟ آؤ۔ اپنے گھر میں چلو۔''

وہ نفرت سے اسے گھور رہی تھی۔ تھوکنے کے انداز میں بولی۔ ''میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر۔ پتی پتنی کا رشتہ تو اسی وقت ٹوٹ گیا تھا جب تم نے ایک دلال کی طرح میرا سودا کیا

تھا۔‘‘

وہ اپنے ٹیٹوے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔’’ماں قسم! سودا نہیں کیا تھا۔صرف ایک بازی لگائی تھی۔ مجھے پوری امید تھی کہ میں ہی جیتوں گا لیکن وہ سالا لوکھنڈے بہت بڑا چیٹر نکلا۔‘‘

’’اس دنیا میں کون ہے جو دھوکے باز نہیں ہے؟‘‘

’’دیکھ انجلی! مجھے غلط نہ سمجھ۔ میں کل بھی تجھ سے پیار کرتا تھا، آج بھی کرتا ہوں۔‘‘

’’اسی لئے مجھے اس اجنبی جگہ پر تنہا اور بے یارومددگار چھوڑ آئے تھے؟‘‘

’’میں جانتا ہوں، تیرے اندر غبار بھرا ہوگا۔چل، اندر چل، میں اپنی مجبوری سمجھاؤں گا تو تو سمجھ جائے گی۔‘‘

وہ حقارت سے بولی۔’’کہاں چلوں؟ ایک ایسے گھر میں، جہاں چھوٹی چھوٹی بازیوں کے لئے اپنی دھرم پتنی کو داؤ پر لگا دیا جاتا ہے؟ تم مجھے کسی اناتھ آشرم میں پہنچا دو۔ میں وہاں رہنا پسند کروں گی لیکن اب تمہارے سائے میں نہیں رہوں گی۔‘‘

وہ بڑی معصومیت سے بولا۔’’تیری نفرت درست ہے۔ تجھے میرے سائے میں نہیں رہنا چاہئے لیکن کیا کروں یہ سالا دل ہے کہ مانتا ہی نہیں ہے۔تو جتنے طعنے دینا چاہتی ہے دیتی رہ۔ میں تیری زبان نہیں روکوں گا۔مگر تیری جدائی کے بعد یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ میں۔ میں تیرے بغیر ادھورا ہوں۔‘‘

وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر بہت ہی کڑوے لہجے میں بولی۔’’انسان سے تو گرگٹ بھی پناہ مانگتا ہوگا۔اتنی جلدی وہ رنگ نہیں بدلتا، جتنی جلدی تم بدل رہے ہو۔‘‘

وہ ایک ہائے کے ساتھ بولا۔’’ہائے! اجے پٹ نائیک پر کبھی کسی کا رنگ نہیں چڑھا تھا لیکن تیرے اندر نہ جانے کیا ہے؟ جب سے تو بچھڑی تھی، تب سے میری حالت باؤلوں جیسی ہوگئی تھی۔ یقین نہیں آتا تو محلے میں کسی سے بھی پوچھ لے۔ رات رات بھر گھر سے باہر رہنے لگا تھا۔ تیرے بعد تو یہ مکان مجھے کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ اب تو آگئی ہے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔‘‘

وہ بڑے رومانی انداز میں بول رہا تھا۔وہ اسے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔’’اگر میں نے اس گھر میں پناہ نہ لی تو پھر رات کے اندھیرے میں کہاں بھٹکنے جاؤں

گی؟ جگہ جگہ پولیس ہوگی۔تنہا عورت کو دیکھ کر ہر ایک کے منہ میں پانی آئے گا۔ویسے ہی وہ انجانا دشمن پیچھے لگ گیا ہے۔اگر اس کے ہتھے چڑھ گئی تو میرا کیا بنے گا؟‘‘

وہ چاہے پولیس کے ہاتھ لگتی یا اس دشمن کے ہاتھ لگتی۔ لگنے والا ہر ہاتھ اسے ذلت کی پستیوں میں دھکیلنے والا تھا۔ایسے میں پٹ نائیک ہی ایک سہارا دکھائی دے رہا تھا۔وہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی بھی کرتا تو ایک پتی کے رشتے سے کرتا۔

یہ رشتے کم بخت بڑے ہی ظالم ہوتے ہیں۔کبھی چوٹ پہنچاتے ہیں تو کبھی مرہم بن جاتے ہیں۔وہ زمانے کی ٹھوکریں کھاتی ہوئی، نائیک تک پہنچی تھی اور اب مزید ٹھوکروں سے بچنے کے لئے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک زندگی گزارنے کا کوئی مناسب راستہ نہیں مل جائے گا تب تک وہ اس ناگوار بن جانے والے رشتے سے سمجھوتہ کرتی رہے گی۔

وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر آگئی۔پڑوس کی ایک مَوسی نے اسے دیکھ کر قریب آتے ہوئے کہا۔’’ارے بٹیا! تم آگئیں؟ میکے میں زیادہ دن نہ رہا کرو۔تمہارے آنے سے یہ اور اس کا گھر سدھر گیا ہے۔دو دن سے تم نہیں تھیں، یہ پھر سے رات گئے دارو کے نشے میں جھومتا ہوا آنے لگا تھا اور کبھی کبھی تو رات بھر دروازے پر تالا پڑا رہتا تھا۔‘‘

وہ بھی ٹیکسی سے باہر آگیا تھا۔معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔’’اب مَوسی! تم ہی اسے سمجھاؤ۔ابھی آئی اور پھر سے میکے جانے کی ضد کر رہی ہے۔‘‘

بڑی بی نے انجلی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔’’میکہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، لیکن وہ پتی کی جھگی سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔بٹیا! اپنے گھر میں جی لگاؤ۔‘‘

وہ اسے نصیحتیں کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔وہ آہنی گیٹ کا تالا کھول رہا تھا۔پھر اس سے بولا۔’’تم اندر جاؤ، میں ٹیکسی لا رہا ہوں۔‘‘

انجلی اندر آگئی۔گھر کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ اپنی مالکن کے بغیر کھنڈر بننے والا تھا۔نائیک ٹیکسی کو احاطے میں کھڑا کر کے اس کے پاس آگیا۔پھر بولا۔’’کچن میں تھوڑا بہت راشن پڑا ہے۔ابھی گزارہ کرلو۔میں کھانے کے بعد باہر جاؤں گا تو سودے کی لسٹ دے دینا۔تمام سامان آجائے گا۔‘‘

گھر اتنا گندہ ہو رہا تھا کہ وہ فوراً ہی جھاڑو اٹھا کر صفائی میں مصروف ہوگئی۔ وہ کچن میں تھی۔ نائیک برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سُلگانے لگا۔ دل میں یہ آگ سُلگ رہی تھی کہ وہ دیوالی کی رات اسی کی منحوسیت سے ہارا ہے۔ ایسے زبردست انداز میں پہلے کبھی نہیں ہارا تھا۔ دوسرے یہ آگ اندر ہی اندر جلا رہی تھی کہ وہ لوکھنڈے کے پاس سے ہوکر آئی ہے۔ جھوٹا برتن بن چکی ہے۔ وہ اسے منہ تو نہیں لگائے گا لیکن اسے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔

مگر اس سے پہلے اسے اس بوڑھے سیکورٹی گارڈ کی فکر تھی، جسے حوالات میں بند کیا جاچکا تھا۔ یہ پوری امید تھی کہ وہ منہ نہیں کھولے گا، لیکن پولیس کے ڈنڈے اس کے اندر کا سارا راز ایک ہی جھٹکے میں اگلوا سکتے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس بوڑھے کو مزید لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ اگر وہ پھانسی کے تختے تک بھی پہنچ گیا تو اس کی بیٹی کا مستقبل محفوظ رہے گا۔ وہ پچیس ہزار دینے والا نہ صرف اس کی پرورش کرتا رہے گا بلکہ اپنے وعدے کے مطابق اس کی شادی بھی کرائے گا۔

یہ ایسی باتیں تھیں، جو بار بار اس بوڑھے کے دماغ میں ٹھونسی جاتیں تو وہ قائل ہوتا رہتا۔ نائیک پولیس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا اس لئے اس سے ملاقات نہیں کر رہا تھا۔ ایسے وقت ایک یہی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ کوئی ایسا قاصد ہو جو اس بوڑھے کے دماغ میں یہ بات ٹھونستا رہے کہ وہ اپنی زبان بند رکھے گا تو بیٹی کے روشن مستقبل کے دروازے کھلتے رہیں گے۔

انجلی صفائی میں مصروف تھی۔ وہ برآمدے میں بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا، اسے دیکھ رہا تھا مگر سوچ کے گھوڑے بوڑھے گارڈ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ایسے وقت اسے جوئے کے اڈے کا ایک موالی گنگو یاد آیا۔ جو پیسہ دیکھتا تھا، کام کرتا تھا اور پھر کام کروانے والے کو بھول جاتا تھا۔ اسے ایسا ہی بندہ چاہئے تھا جو اس کا کام کرے لیکن اسے بھول جائے۔

دوسری طرف انجلی پلاننگ کر رہی تھی کہ وہ ایسا کون سا راستہ اختیار کرے کہ اس دلال نما پتی سے جان چھوٹ جائے۔ ایک بار آزمانے کے بعد دل اس خدشے سے

دھڑک رہا تھا کہ وہ پھر اس کی بولی نہ لگا دے۔ اعتبار اٹھ جائے تو دوبارہ بڑی مشکل سے قائم ہوتا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ آمنے سامنے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ظاہر کچھ تھا، باطن کچھ تھا۔ وہ رُوبرو ہونے کے باوجود رُوبرو نہیں تھے۔ اپنے اپنے طور پر آئندہ کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ نائیک جلد از جلد اس موالی سے معاملہ طے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ موالی کسی بھی الزام میں گرفتار ہوگا، اس کا قاصد بن کر حوالات میں جائے گا اور اس بوڑھے کو قائل کرتا رہے گا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ سودے کی لسٹ لیتے ہوئے بولا۔ ''ہوسکتا ہے، واپسی میں دیر ہو جائے۔ میں باہر سے تالا لگا کر جا رہا ہوں۔''

وہ ٹیکسی کو احاطے سے باہر گلی میں لے آیا۔ پھر دروازے پر تالا ڈال کر چلا گیا۔

☆======☆======☆

دادا نواب نئی نویلی محبت کے نشے میں لڑکھڑاتا ہوا رَگھو کے قمار خانے میں پہنچ گیا تھا۔ پہلے وہ بے فکرا تھا، کسی کی پرواہ نہیں کرتا تھا لیکن اب قدم قدم پر چمن یاد آنے لگی تھی۔ ایک عجیب سی مسرت کا احساس دلانے لگی تھی کہ میں تمہاری محبت ہوں۔ تمہاری جائیداد ہوں۔ ایسی حسین جائیداد جسے صرف تم خرچ کر سکتے ہو۔ کوئی دوسرا ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔

ایک محبت کرنے والی کے تصور میں کتنی دلچسپیاں اور رنگینیاں ہوتی ہیں، اسے آج اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ ایک میز پر بیٹھا تھا۔ ہنگامہ اس کے سامنے والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ اس کا چہرہ پڑھتے ہوئے بولا۔ ''کیا ہوا؟ بات نہیں بنی؟''

ہنگامہ میز پر ایک گھونسہ مارتے ہوئے بولا۔ ''سالی بہت تیز نکلی، ہاتھ آنے سے پہلے ہی اڑ گئی۔''

نواب گلاس اٹھا کر منہ سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''وہ اڑ گئی اور تُو نے اڑنے دیا؟''

''جائے گی کہاں؟ وہ جس ٹیکسی میں گئی ہے میں نے اس کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔ برتن اور اس کے ساتھی اس کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔''

دادا نواب نے کہا۔ ''اب مجھے کسی لڑکی سے دلچسپی نہیں ہے، لیکن کوئی میرے لئے چیلنج بن جائے تو میں اس کی ایسی کی تیسی کر دیتا ہوں۔ تم اسے کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالو۔ فی الحال اس قاتل تک پہنچنا میرے لئے زیادہ ضروری ہے۔''

''اس بارے میں تم کوئی پلاننگ کرنے والے تھے؟''

''ہاں۔ اپنے کسی آدمی کو پاکٹ مارنے کے الزام میں گرفتار کرانا ہوگا۔''

''اس سے کیا ہوگا؟''

''اس علاقے کے تھانے میں ایک ایسا مُہرہ قید جو ہمیں اس قاتل تک پہنچانے کی سیڑھی بن سکتا ہے۔ وہ ایک بوڑھا بابا ہے۔ مقتول کے گھر کی رکھوالی کرتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس نے کسی قاتل کا ساتھ دیا ہے۔ کیونکہ اس کی عمر ایسی نہیں ہے کہ وہ کسی ہٹے کٹے کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ ہمارا آدمی اسی حوالات میں بند ہوگا اور اس بوڑھے سے ساری حقیقت اگلوالے گا۔''

''اگر وہ کسی قاتل کا ساتھ دے رہا ہے، تو آسانی سے ڈھول کا پول نہیں کھولے گا۔''

''نہیں کھولے گا تو ہمیں سختی برتنی پڑے گی۔ ہمارا آدمی اسے دھمکی دے گا کہ اگر اس نے سب کچھ سچ سچ نہ بتایا تو اس کی جوان بیٹی کو اٹھوالیا جائے گا۔ یہ ایسا بم باٹ نسخہ ہے کہ وہ فوراً ہی ساری رام کہانی سناڈالے گا۔''

وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ ایسے ہی وقت ہنگامہ کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے نمبر پڑھتے ہوئے کہا۔ ''اپنا برتن ہے۔''

پھر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بول! کیا خبر ہے؟''

دوسری طرف سے برتن نے کہا۔ ''استاد! تم کہاں ہو؟''

''میں دادا کے ساتھ یہاں لال قلعہ کے پیچھے رگھو کے قُمار خانے میں ہوں۔''

''وہ ٹیکسی نظر آگئی ہے۔ چاندنی چوک کے وِٹھل کے جوئے کے اڈے پر کھڑی ہے۔ ہم اندر جا رہے ہیں۔ تم بھی پہنچ جاؤ۔''

اس نے فون کو بند کرتے ہوئے دادا نواب سے کہا۔ ''وہ ٹیکسی مل گئی ہے۔ ہمیں چاندنی چوک جانا ہوگا۔ وہیں برتن سے بھی معاملات طے ہو جائیں گے۔''

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر باہر کھڑی ہوئی جیپ میں آکر بیٹھ گئے۔ ہنگامہ نے اسے اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کیا بات ہے دادا! چہرے پر بڑی رونق نظر آرہی ہے؟''

وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔ ''بس یار! یوں سمجھ کہ تیری دادی مل گئی ہے۔''

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ''میری دادی؟ مگر وہ تو اللہ کو پیاری......''

نواب اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''ابے! میں اس دادی کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ سمجھنے کی بات ہے، ذرا غور سے سن! تو مجھے بھائی کہہ کر بلاتا تو میری گھر والی تیری بھابی ہوتی۔ اب چونکہ تو مجھے دادا کہتا ہے اس لئے میری بیوی کو تو دادی ہی کہہ کر بلائے گا ناں۔''

وہ قائل ہونے کے انداز میں بولا۔ ''تم بھائی ہوتے تو وہ بھابی کہلاتی۔ اب چونکہ تم بھائی نہیں بلکہ دادا ہو اس لئے وہ دادی کہلائے گی۔ مگر وہ دادی کہلانے والی کون ہے؟ کہاں ہے؟ کیسی ہے؟''

''بس ایک سیدھی سادی سی لڑکی ہے، دادا کے دل کو بھا گئی ہے۔ پہلے صرف ماں جی کے لئے اس قاتل کو تلاش کرنا تھا، اب اس لڑکی کا معاملہ بھی بیچ میں آگیا ہے۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ ''حوالات میں جو بوڑھا سیکورٹی گارڈ بند ہے، وہ تیرے دادا کا ہونے والا سُسر ہے۔''

''اچھا تو یہ بات ہے۔ پھر تو ہم سارے باراتی اس سُسر کو نکالنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔''

کچھ دیر بعد ہی وہ مطلوبہ اڈے کے سامنے پہنچ گئے۔ وہ جیپ کو پارک کرتے ہوئے پٹ نائیک کی ٹیکسی کو دیکھ کر بولا۔ ''یہی وہ ٹیکسی ہے۔''

دادا نواب نے جیپ سے اترتے ہوئے کہا۔ ''ٹیکسی دیکھ لی۔ اب اس ڈرائیور کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔''

وہ دونوں اندر جانے کے لئے دروازے پر آئے۔ وہاں برتن کے ساتھ رہنے

والے لڑکوں میں سے ایک لڑکا کھڑا ہوا تھا۔ وہ انہیں دیکھتے ہی قریب آتے ہوئے بولا۔ ''سلام دادا! میں آپ دونوں کا ہی انتظار کر رہا تھا۔''

ہنگامہ نے پوچھا۔ ''ٹیکسی ڈرائیور ہاتھ آیا؟''

وہ بولا۔ ''ہاں استاد! ابھی برتن نے اس پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا ہے کہ ہم اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں استاد! وہ سالا کتنا روکھڑا لے کر بیٹھا ہے؟ میں نے کاؤنٹر پر معلوم کیا تھا تو پتہ چلا کہ وہ اب تک پچپن ہزار روپے ہار چکا ہے اور دیسی شراب کی بجائے بدیسی پی رہا ہے۔ ابھی برتن سے چار ہزار کی بازی لگا کر کھیل رہا ہے۔''

دادا نواب نے سوچتی ہوئی نظروں سے ہنگامہ کو دیکھا پھر کہا۔ ''ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی کہ ہزاروں کی بازیاں لگا رہا ہے اور مہنگی شراب پی رہا ہے؟''

ہنگامہ نے کہا۔ ''مجھے تو کوئی دوسرا ہی معاملہ لگتا ہے۔''

''معاملہ جو بھی ہو، اس کی تہہ تک پہنچنا ہی ہوگا۔ فی الحال اس چھوکری تک پہنچنا ہے۔ آؤ......''

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اندر آ گئے۔ اس دھواں دھواں سے ماحول میں برتن اجے پٹ نائیک کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ برتن کے دوسرے حواری مختلف میزوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ وہ دونوں دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس میز کے قریب آ گئے۔ اسی وقت اس نے حکم کا اکا پھینکا تھا۔ برتن کے پاس کوئی بڑا پتا نہیں تھا، اس لئے نائیک کی جیت ہوئی، وہ پتے سمیٹنے لگا۔

دادا نواب نے ایک بڑھک لگا کر کہا۔ ''واہ استاد! تم تو بڑے غضب کے کھلاڑی ہو۔''

پٹ نائیک نے نشے میں ڈوبی ہوئی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر سگریٹ کا ایک کش لیتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کون ہو؟''

''میرا نام دادا نواب ہے۔''

نام سنتے ہی وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ہوں، دادا نواب۔ میں نے تمہارے بہت چرچے سنے ہیں۔ میرا نام اجے پٹ نائیک ہے۔''

دادا نے پوچھا۔ ''کیا میرے ساتھ کھیلو گے؟''

وہ نشے میں ڈگمگاتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ گلاس کو منہ لگا کر آخری گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے بولا۔ ''نہیں۔ اب نہیں۔''

دادا نے ہنگامہ کو آنکھ مار کر باہر جانے کا اشارہ کیا۔ پھر نائیک سے کہا۔ ''ایک بازی لگا لو۔ کیا مال ختم ہو گیا ہے؟''

''ایسی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر لگاؤ بازی......''

ہنگامہ نے جاتے جاتے برتن کو بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ دونوں باہر آئے تو ہنگامہ اسے بتانے لگا کہ وہ کیسے پاکٹ مارنے کے الزام میں حوالات میں جائے گا اور اس منظور چاچا نامی گارڈ سے تمام حقیقت اگلوائے گا؟

دوسری طرف دادا نواب نائیک کو ایک بازی کھیلنے پر مائل کر چکا تھا اور اب پتے بانٹ رہا تھا۔ ہنگامہ اندر آ کر اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ کھیل شروع ہو گیا۔ کبھی دادا کا پلڑا بھاری ہو رہا تھا، کبھی نائیک کا۔ وہ نشے میں تھا جبکہ دادا بغیر پیئے کھیل رہا تھا۔ لہٰذا اسی کی جیت ہوئی۔

نائیک جھومتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دادا نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔ ''کہاں چلے؟ جیت کر تو جاؤ۔''

''نہیں۔ اگر اپنی بدقسمتی کو دعوت دینا چاہتے ہو تو کل رات دس بجے یہاں آ جانا۔ کیونکہ بارہ بجے کے بعد میری بدقسمتی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پھر میں پتوں کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ تمہاری ضد پر میں نے یہ بازی لگائی تھی اور تم دیکھ ہی رہے ہو، میں کیسے ہار گیا؟''

وہ وہاں سے جانے لگا۔ وہ دونوں بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چلنے لگے۔ دادا نواب نے پوچھا۔ ''کیا تمہارے پاس گاڑی ہے؟''

''ہاں۔ میں ٹیکسی چلاتا ہوں۔''

''چلو۔ یہ اچھا ہی ہوا۔ اب ہمیں کسی کا احسان نہیں لینا پڑے گا۔ دراصل ہماری گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ کیا تم ہمیں چاوی بازار تک چھوڑ دو گے۔ میں کرایہ ادا کروں گا۔''

''مگر مجھے تو وہاں نہیں جانا ہے۔''

''تم ٹیکسی چلاتے ہو اور ٹیکسی ڈرائیور اپنی مرضی سے نہیں بلکہ سواری کی مرضی سے آتے جاتے ہیں۔ چلو۔ چاوی بازار تک نہ سہی، مین روڈ تک تو پہنچا دو گے؟''

''ہاں۔ یہ کرسکتا ہوں۔''

وہ تینوں آگے پیچھے چلتے ہوئے باہر آگئے۔ ہنگامہ نے اپنی جیپ کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی چابی دو حواریوں کو دے گیا تھا۔ اب وہ دونوں اس کی اگلی سیٹ پر ان کے منتظر تھے۔ دادا نواب نائیک سے باتیں کرتا ہوا ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ ہنگامہ نے فوراً ہی ان حواریوں کو اشارے سے سمجھایا کہ وہ اس ٹیکسی کا پیچھا کرتے رہیں۔

دادا اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ ہنگامہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''بھائی نائیک! نشے میں ڈرائیونگ کرلو گے؟''

وہ دانت نکالتے ہوئے بولا۔ ''بھائی میرے! یہ بدیسی شراب کا نشہ ہے۔ اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ جب یہ دماغ کو چڑھتا ہے تو ڈرائیونگ تو دور کی بات، بندہ ہوائی جہاز بھی چلا سکتا ہے۔''

ٹیکسی اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھنے لگی۔ وہ حواری بھی جیپ اسٹارٹ کرکے ان کے پیچھے جانے لگے۔ دادا نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یار! تمہارے حالات دیکھ کر لگتا ہے، ٹیکسی چلانا بڑا منافع بخش کام ہے؟''

نائیک نے چور نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا۔ ''ایسی بات نہیں ہے۔ میرا ایک پرائز بانڈ نکلا تھا، اسی کی رقم تھی جسے میں جوئے میں ہار کر اور کچھ جیت کر جا رہا ہوں۔''

وہ قائل ہوکر سر ہلانے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی اس نے ٹیکسی کو ایک طرف روکتے ہوئے کہا۔ ''یہ لو۔ آگئی مین روڈ......''

ایسے ہی وقت ہنگامہ نے نیفے میں لگے ہوئے ریوالور کو نکال کر اس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''گاڑی نہ روکو۔ چلتے رہو۔''

اس نے گھبرا کر عقب نما آئینے میں دیکھا۔ ریوالور کی نال اس کی گردن سے لگی ہوئی تھی۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟ کون ہو تم لوگ......؟''

دادا نواب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''فکر نہ کرو، ہم تمہارے بھی باپ ہیں۔ خیریت چاہتے ہو تو گیئر بدلو اور گاڑی آگے بڑھاتے رہو۔''

نائیک فوراً ہی حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ ٹیکسی کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''تیرے ساتھ ذرا سیر کرنا چاہتے ہیں۔ مفت میں......''

نائیک بولا۔ ''تم جہاں کہو گے میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا، لیکن یہ ریوالور ہٹاؤ۔ گولی چل سکتی ہے۔''

''چلنے والی چیز تو چلتی ہی ہے۔ تو بول! اپنی اس چالو ٹیکسی میں جس لڑکی کو اڑا کر لایا تھا، اسے کہاں پہنچایا ہے؟''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کون سی لڑکی......؟''

ہنگامہ نے ریوالور کی نال پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''سیانا نہ بن۔ ابھی چار گھنٹے پہلے چاوی بازار سے ایک لڑکی تیری ٹیکسی میں آکر بیٹھی تھی۔ سیدھی طرح بتا دے، اسے کہاں اتارا ہے؟''

یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ وہ دو انجانے دشمن انجلی کو تلاش کر رہے ہیں۔ اس نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔ ''چار گھنٹے بہت ہوتے ہیں۔ اتنی دیر میں تو نہ جانے کتنی سواریاں آئی گئی ہیں۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آرہا ہے کہ میں نے اسے کہاں اتارا تھا؟''

''اتنا یاد آگیا ہے، باقی بھی فٹافٹ یاد کرلے ورنہ تیرا بھیجا اُڑنے ہی والا ہے۔''

نائیک ایسا ظاہر کرنے لگا، جیسے وہ اس لڑکی کے بارے میں سوچ رہا ہے، جبکہ یہ سوچ رہا تھا کہ انہیں کیسے ٹالا جائے؟ پھر اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ یاد آیا۔ میں نے دہلی گیٹ پر اتارا تھا۔''

"چل۔ گاڑی کو دہلی گیٹ کی طرف موڑ دے۔"

وہ بولا۔ "مگر تم لوگ اسے کیسے ڈھونڈو گے؟ وہ کسی گھر کے سامنے نہیں بلکہ وہاں کے بازار میں اتری تھی۔"

"تو ہمیں اس جگہ پہنچا دے، باقی کا کام ہمارا ہے۔"

اس نے ٹیکسی کو دہلی گیٹ کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لیا۔ حواریوں کی جیپ بھی ان کے پیچھے پیچھے اس راستے پر چلنے لگی۔ کچھ دیر بعد ہی وہ گاڑیاں آگے پیچھے چلتی ہوئی دہلی گیٹ کے بازار میں پہنچ گئیں۔ نائیک نے ٹیکسی کو ایک چوک کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔ "یہی وہ جگہ ہے۔ میں نے چار گھنٹے پہلے اس لڑکی کو یہاں، ٹھیک اس جگہ اتارا تھا۔"

وہ دونوں ٹیکسی سے باہر آگئے۔ چاروں طرف نظریں دوڑانے لگے۔ نائیک نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ "اب میں جاؤں؟"

دادا نواب نے کھڑکی پر جھک کر اسے گہری مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "جا......"

وہ ٹیکسی اسٹارٹ کر کے وہاں سے جانے لگا۔ جیپ میں بیٹھے ہوئے ایک حواری کے موبائل کا بزر بولنے لگا اس نے اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "کیا حکم ہے دادا؟"

اس نے کہا۔ "پیچھا کرو۔ پھر اس کی گردن ناپتے ہی ہمیں خبر کرو۔"

کچھ دیر بعد ہی وہ جیپ ایک زناٹے کے ساتھ ان کے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔ دادا نے ہنگامہ سے پوچھا۔ "تم نے برتن کو سب کچھ سمجھا دیا؟"

"ہاں۔ وہ آج رات ہی حوالات میں پہنچ جائے گا۔"

دوسری طرف وہ ٹیکسی گلی کے کونے پر کھڑے ہوئے ایک شخص کے سامنے رُک گئی۔ وہ وہی موالی تھا، جس سے نائیک معاملات طے کر چکا تھا۔ وہ کھڑکی پر جھک کر بولا۔ "میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

نواب کے حواریوں نے بھی اپنی جیپ روک دی تھی۔ نائیک نے محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم یہاں میرے محلے میں کیوں آئے ہو؟"

وہ بولا۔ "اپن دھندہ کرتا ہے۔ اِس ہاتھ لیتا ہے اُس ہاتھ دیتا ہے، لیکن تم سالا کام پورا لے گا اور پیسہ کم دے گا تو اپن حوالات میں کائے کو جائے گا؟"

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ابھی دو گھنٹے پہلے میں نے تم سے معاملہ طے کیا ہے، اور تم نے رقم بھی لے لی ہے پھر......"

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ ہزار ہزار کے پانچ نوٹ نگاہوں کے سامنے لہرا رہے تھے۔ موالی انہیں اس کی گود میں پھینکتے ہوئے بولا۔ "پورا ایک ہجار (ہزار) کم ہے۔ اپن اس وقت نشے میں تھا اور تم نے نشے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ہجار کی ڈنڈی ماری ہے۔"

پٹ نائیک نے واقعی ایک ہزار کی ہیرا پھیری کی تھی۔ وہ بات بناتے ہوئے بولا۔ "میں اس وقت جلدی میں تھا۔ کوئی بات نہیں یار! لے یہ ایک ہزار......"

اس نے جیب سے ہزار کا ایک نوٹ نکالا اور باقی کے پانچ ہزار بھی اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "چل۔ اب یہاں ٹائم برباد نہ کر، فٹافٹ حوالات پہنچ جا اور کل تک مجھے اپنے کسی بھی بندے کے ہاتھ پوری رپورٹ بھیج دے۔"

وہ اس رقم کو جیب میں ٹھونستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ نائیک بھی ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگا۔ وہ ایک چھوٹے سے محلے کی چھوٹی گلی تھی۔ اگر وہ حواری اپنی جیپ سمیت وہاں داخل ہوتے تو نائیک کو خبر ہو جاتی۔ ایک حواری نے کہا۔ "ہمیں یہیں سے دیکھنا چاہئے، میرا خیال ہے اس گلی میں ہی اس کا گھر ہے۔"

وہ ٹیکسی سات آٹھ مکانوں کے سامنے سے گزرتی ہوئی ایک مکان کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ وہ حواری اپنی جیپ سے اتر کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ نائیک تالا کھولنے کے بعد اپنی ٹیکسی کو احاطے میں داخل کرتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے اس مکان کے قریب پہنچ گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ نائیک گیٹ بند کرتا انہوں نے دھاوا بول دیا۔

نائیک کو دھکا دیتے ہوئے اندر چلے آئے۔ اس نے غصے سے پوچھا۔ "کون ہو تم؟ یہ کیا طریقہ ہے؟ اندر کیوں گھسے آرہے ہو؟"

ایک حواری نے اس کے منہ میں ریوالور کی نال ٹھونستے ہوئے کہا۔ ''خیریت چاہتا ہے تو زبان بند رکھ۔ ورنہ ہمیشہ کے لئے تیرا سب کچھ بند کردوں گا۔''

انجلی اپنے کمرے میں تھی، ابھی نیند کا جھونکا آیا ہی تھا کہ باہر کے شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہڑبڑا کر کمرے سے باہر آئی ایک حواری نے فوراً ہی اسے اپنے نشانے پر لیتے ہوئے کہا۔ ''خبردار! کوئی آواز نہ نکالنا۔''

انجلی سہم کر جہاں تھی، وہیں سمٹ کر کھڑی ہوگئی۔ دوسرے حواری نے نائیک کو ایک کمرے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ ''چل اندر چل......''

نائیک بولا۔ ''آخر تم لوگ کون ہو؟ اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟''

''کوئی سوال نہ کر۔ جو کہتے ہیں چپ چاپ کرتا جا۔ اب بولے گا تو چپ کرانے میں دیر نہیں لگے گی۔ چل! کمرے میں چل......''

وہ حکم کے مطابق کمرے کی طرف جانے لگا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون ہیں اور اس کے مکان میں کیوں گھسے چلے آئے ہیں؟ چھٹی حس الارم دے رہی تھی۔ ''ہو نہ ہو یہ اس دادا نواب اور اس کے ساتھی کے کارندے ہیں، جو انجلی کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔''

وہ حواری انہیں ایک کمرے میں لے آئے۔ انجلی پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی انہیں اور کبھی نائیک کو دیکھ رہی تھی۔ ایک حواری اپنا موبائل فون نکال کر کسی سے رابطہ کرنے لگا پھر اسے کان سے لگا کر بولا۔ ''ہاں۔ دادا! ہم نے اس سالے کی گردن ناپ لی ہے۔ آپ کے حکم انتظار ہے۔''

دوسری طرف سے دادا نواب نے پوچھا۔ ''کیا کوئی لڑکی وہاں ہے؟''

وہ انجلی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ہاں دادا! ایک عورت ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ تو مجھے ایڈریس بتا۔ ہم ابھی وہاں پہنچ رہے ہیں۔''

اس نے وہاں کا پتہ نوٹ کرانے کے بعد رابطہ ختم کردیا۔ اس نے فون پر کسی عورت کا ذکر کیا تھا۔ نائیک کا اندازہ درست نکلا تھا۔ انجلی بری طرح الجھی ہوئی تھی، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ کیا کھیل، کھیل رہی ہے؟ اس کا ذہن بھی خطرے کی گھنٹی بجانے لگا تھا کہ کہیں یہ اس آدمی کے کارندے تو نہیں ہیں جو اس کا پیچھا کررہا ہے؟ وہ

پریشان ہوکر دل ہی دل میں بھگوان سے رحم کی بھیک مانگنے لگی۔

کچھ دیر بعد ہی دادا نواب ہنگامہ کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ گیٹ کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ ایک حواری نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا۔ ''دادا! یہاں چلے آؤ......''

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے اس کمرے کی طرف آئے۔ دادا نے دروازے پر رک کر نائیک کو دیکھا۔ وہ بولا۔ ''تم لوگ کیوں میرے پیچھے پڑے ہو؟ میں نے تمہیں......''

دادا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ ''خاموش......ہم تیرے پیچھے نہیں پڑے ہیں، تو نے خود ہی ہمیں اپنے پیچھے لگالیا ہے۔ اگر تو ٹھیک ٹھیک بتادیتا کہ اس لڑکی کو......''

وہ بولتا ہوا اندر آگیا تھا، اس کے پیچھے ہنگامہ بھی اندر چلا آیا تھا وہ انجلی کو دیکھتے ہی اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''دادا! یہی وہ لڑکی ہے۔''

انجلی نے سہم کر ہنگامہ کو دیکھا۔ وہ بھی اسے شکل سے پہچانتی تھی۔ دادا نواب سر گھما کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''بھگوان کے لئے! میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

دادا اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چمکتے دمکتے حسن اور بھرے ہوئے جوبن میں بڑی کشش دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ساڑھی میں لپٹی کہیں کہیں سے ایسے جھپ دکھا رہی تھی، جیسے بدلیوں میں سے سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔

وہ اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ ''جیسا سنا تھا۔ اس سے بڑھ کر پایا۔ ارے یہ تو ہیرا ہے ہیرا۔ تجھے دیکھ کر مسافر اپنا راستہ بھول جاتے ہوں گے۔ ماں قسم! چلمن نے میرا دل موہ لیا ہے۔ ورنہ تو مجھے بھٹکا دیتی......''

نائیک نے غرا کر کہا۔ ''اے! یہ میری پتنی ہے۔''

ہنگامہ نے کہا۔ ''اگر یہ تیری پتنی ہے تو وہاں اس کال گرل کے گھر میں کیا کررہی تھی؟ سالے! عورتوں کا دھندہ کرتا ہے۔ تب ہی ہزاروں کی بازیاں لگا رہا تھا۔ اب پتہ چلا کہ یہ تیرا پرائز بانڈ ہے۔''

انجلی گڑگڑانے کے انداز میں بولی۔ ''میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔ بدقسمتی سے مس یونیورس کے گھر چلی گئی تھی۔ یہ سچ کہہ رہا ہے، میں اس کی دھرم پتنی ہوں۔ بھگوان

کے لئے مجھے عزت سے جینے دو۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اپنی بدنصیبی پر آنسو بہانے لگی۔ اسے کیا خبر تھی کہ وہ بھائی جیسے معزز دلال سے پیچھا چھڑانے کے بعد اس دنیا کے دوسرے شیطانوں کے ہتھے چڑھتی چلی جائے گی۔ زندگی نائیکہ بن گئی تھی، اور اسے حُسن کے چکنے فرش پر ننگی کا ناچ نچا رہی تھی۔ کبھی ادھر کر رہی تھی، کبھی اُدھر کر رہی تھی۔ بھگوان نے بس اتنا کرم کیا ہوا تھا کہ اب تک اس کی زندگی کی بہت ہی قیمتی پونجی، اس کی آبرو محفوظ تھی۔ ایک پتی کے سوا اب تک کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

دادا نواب اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے آنسو سمجھا رہے تھے کہ وہ بازاری نہیں ہے، اس ٹیکسی ڈرائیور کی پتنی ہے۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "میں کبھی کسی مظلوم پر ظلم نہیں ڈھاتا۔ تمہارے آنسو بتا رہے ہیں کہ تم سچی ہو۔ خدا تمہاری آبرو کی حفاظت کرے۔"

پھر اس نے پلٹ کر ہنگامہ اور ان حواریوں سے کہا۔ "چلو۔ ہم غلط جگہ آ گئے ہیں۔"

انجلی نے ایکدم سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی باتیں، اس کا لہجہ ایسا اپنائیت بھرا تھا کہ وہ کچھ دیر تک ان لفظوں میں کھوئی رہی۔ "خدا تمہاری آبرو کی حفاظت کرے۔"

پھر جیسے ایکدم سے چونک گئی۔ وہ تو پہلے ہی اپنے پتی سے نجات حاصل کرنے کے راستے تلاش کر رہی تھی۔ ایسے میں دادا نواب بھگوان کا اوتار دکھائی دینے لگا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر آنگن میں آئی۔ وہ سب باتیں کرتے ہوئے بیرونی دروازے سے باہر جا رہے تھے۔ انجلی نے تیز آواز میں کہا۔ "سنو......!"

ایک حواری نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر دادا سے کہا۔ "وہ چھوکری بلا رہی ہے۔"

نائیک بھی اس کے پیچھے آنگن میں چلا آیا تھا۔ وہ ٹل جانے والی شامت کو دعوت دے رہی تھی۔ اس نے غصے سے پوچھا۔ "کیا کام ہے؟ انہیں کیوں بلا رہی ہے؟"

وہ حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "تمہارے سامنے وہ دیوتا کا اوتار لگ رہا ہے۔ اس نے جو دعا دی ہے، وہ میرے دل کو لگ رہی ہے۔"

دادا نواب نے اندر آ کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

انجلی اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "زندگی نے مجھے بہت دکھ دیئے ہیں۔ ہر طرف سے عارضی اور مطلبی اپنائیت ملی ہے۔ پہلے بھیا مجھے اپنی غرض کی بھینٹ چڑھانا چاہتے تھے، ان سے بچ کر اس پتی کے سائے میں آ گئی، لیکن..."

نائیک نے چیخ کر اسے آگے کچھ بولنے سے روک دیا۔ وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہ کون سے تیرے سگے ہیں، جنہیں تُو اپنی رام کہانی سنا رہی ہے؟ جاؤ بھائی جاؤ۔ اپنا راستہ لو......"

دادا نے اپنے حواری سے پستول لے کر اسے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تُو بہت بولتا ہے۔"

وہ ایکدم سے ٹھٹک گیا۔ انجلی نے کہا۔ "ابھی تم نے پوچھا تھا کہ میں اس کال گرل کے گھر میں کیا کر رہی تھی۔ تو سنو! میں اپنے اس پتی کی وجہ سے اس کے گھر میں رہنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اس نے میرے ساتھ جو ظلم کیا ہے اسے سنو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ شریف زادیاں کیوں اور کس طرح کال گرلز بنتی ہیں؟ تمہاری ایک بات نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ تم بدمعاش ضرور ہو لیکن تمہیں عورت کی عزت کرنی آتی ہے۔"

پھر وہ اسے نائیک کے بارے میں بتانے لگی کہ کن حالات میں ان کی شادی ہوئی تھی اور پھر کس طرح وہ اسے جوئے میں ہار کر بے یار و مددگار شملہ میں چھوڑ کر دہلی چلا آیا تھا۔ اس نے ساری حقیقت بتا دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ لوکھنڈے اور اس کی داشتہ ایک دوسرے کو قتل کر چکے ہیں۔ وہ اپنی بدنصیبی سے بہت خوفزدہ تھی، اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں ان دونوں کے قتل کا الزام گھوم پھر کر اس کے سر نہ آ جائے۔ کیونکہ وہی ان کی ہلاکت کی عینی شاہد تھی۔

دادا نواب تمام صورت حال جاننے کے بعد بولا۔ "ابے! تُو تو بہت بڑا کمینہ نکلا۔ اتنی پیاری اور نیک پتنی سے چیٹ کرتے ہوئے تجھے ذرا بھی شرم نہیں آئی؟"

وہ تڑخ کر بولا۔ "اے مسٹر! ہمارے ذاتی معاملات میں ٹانگ نہ اڑاؤ تو بہتر ہو گا۔ یہ میری گھر والی ہے، میں اس کے ساتھ جیسا چاہوں سلوک کروں۔ مجھے اس دنیا کا کوئی قانون نہیں روک سکتا۔"

وہ بولا۔ ''دنیا کا قانون نہیں روک سکتا لیکن دادا کا ایک اشارہ تجھے الٹا لٹکا سکتا ہے۔''

پھر اس نے انجلی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کیا چاہتی ہو؟''

وہ بولی۔ ''میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔''

وہ جھلا کر بولا۔ ''تو آوارہ ہوگئی ہے۔ بدچلن! ان بدمعاشوں کو دیکھ کر تیرے منہ میں پانی آگیا ہے کمینی......!''

وہ اسے مارنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس سے پہلے ہی دادا نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ ''کمینی یہ نہیں ہے۔ تو ہے۔ کتنا بلوان ہے، ایک عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے؟''

اس نے ریوالور کو لباس کے اندر رکھتے ہوئے کہا۔ ''چل۔ مجھ پر ہاتھ اٹھا۔ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔''

وہ تلملا کر کبھی انجلی کو اور کبھی دادا کو دیکھنے لگا۔ اس میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ پہاڑ جیسے دادا نواب سے ٹکراتا۔

دادا نے انجلی سے کہا۔ ''تم اس درندے نما پتی کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں تو اسے طلاق دے دو۔''

وہ بولی۔ ''میں یہی کرنے والی ہوں لیکن کوئی دوسرا ٹھکانہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ سوچتی ہوں یہاں سے نکل کر کسی آشرم میں چلی جاؤں۔ بھیا! کیا تم مجھے وہاں پہنچا سکتے ہو؟''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا۔ ''میری کوئی بہن نہیں ہے۔ میں لال قلعے کے پیچھے رہتا ہوں۔ کیا تم میرے گھر چلوگی؟ وہاں میری ماں جی ہوگی اور اس کے علاوہ چلمن......''

وہ کہتے کہتے رُک گیا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ چلمن کا ذکر کس حوالے سے کرے؟ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''وہاں تمہیں ایک سہیلی بھی ملے گی۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔''

نائیک لال قلعے کے ذکر پر چونک گیا تھا۔ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دادا کو دیکھ رہا

تھا۔ انجلی نے خوشی سے روتے ہوئے کہا۔ ''شکریہ بھیا! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔''

نائیک نے دادا سے پوچھا۔ ''لال قلعے کے پیچھے تم کس محلے میں رہتے ہو؟''

''تجھے اس سے مطلب؟ کیا اسے اٹھانے آئے گا؟''

وہ سب قہقہے لگانے لگے۔ نائیک دل ہی دل میں شکر ادا کر رہا تھا کہ انجلی راکیش کے مرڈر کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہے۔ ورنہ ابھی سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیتی۔

دادا نواب نے کہا۔ ''جاؤ۔ اپنا ضروری سامان لے آؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔''

نائیک نے کہا۔ ''کیا تم اس مسلمان کے ساتھ رہوگی؟''

وہ بولی۔ ''یہ ہندو اور مسلمان کیا ہوتے ہیں؟ میں نے اپنے دھرم والوں کے ساتھ رہ کر دیکھ لیا۔ جب تم اپنے ہو کر گدھ بن سکتے ہو تو اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ میں دھرم نہیں دیکھ رہی ہوں۔ اس وقت نہ کسی ہندو کے ساتھ جا رہی ہوں، نہ مسلمان کے ساتھ... میں ایک انسان کے ساتھ جا رہی ہوں۔''

انجلی پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ نائیک نے غرا کر کہا۔ ''دادا! تم یہ میرے ساتھ کچھ اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

نواب ہنستے ہوئے بولا۔ ''میں نے کب کہا کہ میں تیرے ساتھ اچھا کر رہا ہوں۔ میں تو اس لڑکی کی بھلائی چاہتا ہوں جو مجھے بھیا کہہ رہی ہے''

ہنگامہ اور دوسرے حواریوں نے چونک کر دادا کو دیکھا۔ وہ کچھ سے کچھ ہوگیا تھا۔ جن ہاتھوں سے لڑکی کو اٹھانے آیا تھا انہی ہاتھوں سے اس پر سایہ کر رہا تھا۔ انجلی نے کچھ اس انداز میں اپنا دکھڑا رویا تھا اور اسے بھائی کہا تھا کہ وہ سچ مچ بھائی بننے کا ثبوت دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی انجلی ایک اٹیچی اور ہینڈ بیگ اٹھائے کمرے سے باہر آگئی۔ دادا نواب نے ایک حواری کو اشارہ کیا۔ اس نے فوراً ہی اس کے ہاتھ سے اٹیچی لے لی۔ انجلی نے ایک نظر نائیک پر ڈالتے ہوئے ناگواری سے کہا۔ ''میں پرارتھنا کروں گی کہ اب کبھی تم سے سامنا نہ ہو۔''

وہ ہینڈ بیگ سنبھالتی ہوئی دادانواب کے پاس آگئی۔اس نے دوسرے حواری سے کہا۔''اس سالے کے ہاتھ پاؤں باندھ کرایک کونے میں ڈال دو۔ورنہ یہ ہمارے نکلتے ہی شور مچائے گا۔''

ہنگامہ نے اور دوسرے حواری نے فوراً ہی حکم کی تعمیل کی اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔پھر ایک کپڑا اس کے منہ میں ٹھونس کراوپر سے دوسرا کپڑا باندھ دیا۔انجلی اسے دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔اس کے ساتھ گزارہ ہوا ایک ایک لمحہ یاد آرہا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر بڑے دکھ سے سوچا۔''کاش نائیک!تم میرے ساتھ مخلص رہتے۔ارے میں تو محبت کی بھوکی تھی،تم محبت سے مانگتے تو میں تمہاری خاطر اپنی جان بھی دے دیتی۔مگر تم نے تو مجھے جانور ہی بناڈالا تھا۔''

اسے سہاگ کی رات سے لے کراس گھر میں گزارا ہوا ایک ایک پل یاد آرہا تھا۔وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی،روتی ہوئی ان کے ساتھ باہر چلی گئی۔نائیک بے بسی سے مچلتا رہ گیا۔مجبوری یہ تھی کہ وہ اسے آواز بھی نہیں دے سکتا تھا۔منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔اس کے حلق سے''اوں اوں۔'' کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

ان لمحات میں وہ اپنی پتنی کوروکنے کے لئے ایک ایسا بے بس کتا بن گیا تھا جوصرف ''اوں اوں'' ہی کرسکتا تھا،غراکر بھونک نہیں سکتا تھا۔

☆======☆======☆

جے شری کا بیٹا راہول نارائن ہوٹل کے کمرے میں تھا۔اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔جب سے اسے سوتیلے باپ کے مرڈر کی اطلاع ملی تھی،تب سے اس کا دماغ مختلف سمتوں میں دوڑ رہا تھا۔وہ تین روز پہلے دہلی پہنچا تھا اور اب تک ماں سے اپنی آمد چھپا رہا تھا۔اسے شُبہ تھا کہ راکیش گپتا نے اپنا کوئی بڑا مفاد حاصل کرنے کے لئے اس کی ماں سے شادی کی ہے۔وہ اسے بے نقاب کرنے آیا تھا مگر اس سے پہلے ہی کسی نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رُک گیا۔وہ دوروز سے راکیش کی مصروفیات جاننے کی کوشش کرتا رہا

تھا۔جس رات قتل ہوا،اس کی صبح راکیش ایک لڑکی سے ملنے گیا تھا اور شام کو چاندنی چوک کے قریب ایک شراب کی بھٹی میں گیا تھا،کافی انتظار کے بعد وہ کسی اجنبی کے ساتھ باہر آیا تھا۔

وہ دونوں نیم تاریکی میں تھے۔اجنبی کا چہرہ واضح نہیں تھا۔وہ دونوں بڑی رازداری سے باتیں کرتے رہے تھے۔پھر راکیش وہاں سے گھر چلا گیا تھا۔اس کے بعد راہول نے اس پر نظر رکھنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔وہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں چلا آیا تھا۔

اور دوسرے ہی دن اسے راکیش کے مرڈر کی اطلاع مل رہی تھی۔سوتیلے باپ کا کانٹا نکل گیا تھا لیکن یہ سوال کھٹک رہا تھا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟کیوں قتل کیا ہے؟کیا کوئی اسے راستے سے ہٹانے کے بعد اس کی ممی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے؟کیا اس معاملے کے پیچھے اس لڑکی کا ہاتھ ہے جو شاید راکیش کی گرل فرینڈ ہے؟یا اس اجنبی شخص کا ہاتھ ہے جس سے ملنے وہ شراب کی بھٹی میں گیا تھا؟

یہ ایسے سوالات تھے جن کے جواب وہ ماں پر اپنی آمد ظاہر کرنے کے بعد ہی ڈھونڈ سکتا تھا۔اس نے سوچا۔''پہلے مجھے گھر پہنچنا چاہئے۔ممی تنہا ایسے حالات کا سامنا کر رہی ہیں۔میں ان کے پاس رہوں گا تو ان کی ڈھارس بندھی رہے گی۔''

اس نے اپنی ماں سے کہا تھا کہ وہ آج رات دس بجے کی فلائٹ سے دہلی پہنچے گا۔اس نے سر اٹھا کر دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا۔رات کے دس بج رہے تھے۔وہ موبائل فون نکال کر گھر کے نمبر پنچ کرنے لگا۔کچھ دیر بعد ہی رابطہ ہوگیا۔

جے شری اپنے موبائل فون پر بیٹے کے نمبر دیکھتے ہی خوش ہوگئی۔فوراً ہی اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولی۔''ہیلو میری جان!کہاں ہو؟تم نے مجھے بتایا نہیں کہ کس فلائٹ سے آرہے ہو؟میں تمہیں ریسیو کرنے ائیر پورٹ بھی نہ آسکی اور تم ہو کہ اب تک گھر نہیں پہنچے ہو فون کررہے ہو۔سب ٹھیک تو ہے ناں......؟''

دادانواب کی ماں جے شری کے پاس قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔اس کے چہرے کوتک رہی تھی۔یہ محسوس کررہی تھی کہ بیٹے کی آواز سنتے ہی جے شری کا مرجھایا ہوا چہرہ ایکدم سے کھِل گیا تھا۔وہ فون پر باتوں میں مصروف تھی۔ماں جی نے ایک گہری سانس لے کر زیرِ

لب کہا۔ ’’بیٹا ......‘‘

پھر وہ سر جھکا کر اپنے نواب کے بارے میں سوچنے لگی۔ بیٹا سینے سے لگنے آیا تھا اور اس نے اسے امتحان میں ڈال دیا تھا۔ اب جے شری کی خوشی دیکھ کر اس کی ممتا تڑپ گئی تھی۔ دل سے دعا نکل رہی تھی کہ بیٹا جلد سے جلد کامیاب ہو کر آئے اور اس کے کلیجے سے لگ جائے۔

جے شری نے دوسری طرف کی باتیں سن کر فون بند کر دیا۔ ماں جی کا ہاتھ تھام کر مسرتوں بھرے لہجے میں کہا۔ ’’وہ آ چکا ہے۔ بس آدھے گھنٹے میں پہنچنے والا ہے۔‘‘

ماں جی بڑی حسرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔ جے شری نے پوچھا۔ ’’کیا بات ہے، تم اداس کیوں ہو گئیں؟‘‘

وہ آنکھوں کو پونچھتے ہوئے بولی۔ ’’کچھ نہیں۔ بس وہ راہول اتنے عرصے بعد آ رہا ہے ناں تو......‘‘

جے شری نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ’’ایک ماں سے دوسری ماں کا دکھ چھپا نہیں رہ سکتا۔ تم نے بہت سخت فیصلہ کیا ہے۔ بیٹا ملنے آیا تھا، کم از کم اسے سینے سے لگا کر ممتا کی پیاس تو بجھا لیتیں۔ تم کیا سمجھتی ہو، میں تمہارے مَن کی بے چینی کو سمجھ نہیں رہی ہوں؟‘‘

وہ روہانسے لہجے میں بولی۔ ’’بے چین تو میرا بچہ بھی ہوگا۔ میں جانتی ہوں، وہ بُرا ہے، لیکن بُرے وقت میں کام ضرور آئے گا۔‘‘

پھر اس نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ ’’پولیس والوں نے منظور چاچا کو گرفتار کر رکھا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے، کیا اس کی بوڑھی ہڈیوں میں اتنا دم ہے کہ وہ راکیش جی کو......؟‘‘

وہ بولی۔ ’’یہ پولیس والے تو اپنے سائے پر بھی شُبہ کرتے ہیں۔ ویسے ایک بات مجھے بھی کھٹک رہی ہے۔‘‘

’’کون سی بات......؟‘‘

وہ ماں جی کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ’’وہ مجرم گیٹ سے اندر نہیں آیا لیکن گھر کے کسی بیرونی حصے سے ہی اندر آیا ہوگا۔ کیا منظور چاچا ڈیوٹی کے وقت سو رہے تھے؟ انہوں نے کوئی آہٹ، کوئی آواز تو سنی ہوگی؟ واپسی پر اس مجرم کے ہاتھوں

میں بھاری رقم تھی۔ وہ اتنی آسانی سے فرار کیسے ہو گیا؟‘‘

ماں جی نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھا پھر پوچھا۔ ’’آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟ کیا منظور چاچا نے......؟‘‘

’’سوچنے کو تو بہت کچھ سوچا جا سکتا ہے۔ کسی پر بھی شبہ کیا جا سکتا ہے۔ منظور چاچا اس لئے اہم ہیں کہ وہ مین گیٹ پر ڈیوٹی دیتے ہیں۔‘‘

ماں جی نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ’’ہاں۔ یہ بات تو میرے حلق سے بھی نہیں اتر رہی ہے کہ آنے والا آیا، قتل اور چوری کی اتنی بڑی واردات کر کے چلا گیا اور نائٹ ڈیوٹی کرنے والے کو خبر بھی نہ ہو سکی۔‘‘

ماں جی نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ’’اس کی بیٹی چلمن بیمار ہے۔ وہ اس کے علاج کے لئے پریشان تھا۔ بتا رہا تھا، چلمن ایسی بیمار ہوئی ہے کہ بستر سے لگ کر رہ گئی ہے۔ اسے خدشہ تھا کہ بیٹی کو کوئی بڑی بیماری لگ گئی ہے۔ اتنے پیسے نہیں ہیں کہ وہ کسی بڑے ڈاکٹر سے اس کا علاج کرا سکے۔‘‘

جے شری نے کہا۔ ’’کیا وہ اپنی بیٹی کے مہنگے علاج کے لئے چوری کر سکتے ہیں؟‘‘

ماں جی نے ایکدم سے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ’’میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ ویسے اسے اپنی چلمن سے محبت بہت ہے۔ وہ اس کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن اتنا جانتی ہوں کہ وہ کسی کا قتل نہیں کر سکتا۔ یہ جو بیٹی والے ہوتے ہیں، یہ بے چارے تو ویسے ہی کمزور ہوتے ہیں اور وہ تو پھر اچھا خاصا بوڑھا ہے۔ بھلا راکیش جی جیسے بندے کو کیسے قابو کر سکتا ہے؟‘‘

’’یہ تو میں بھی سمجھتی ہوں، لیکن ذرا سوچو۔ کیا اس کی کمزوری سے کوئی اور فائدہ نہیں اٹھا سکتا؟ وہ بوڑھا، غریب، ایک جوان بیٹی کا باپ کسی سے بلیک میل ہو سکتا ہے۔‘‘

ماں جی نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ جے شری کچھ کہنا چاہتی تھی، ایسے ہی وقت ایک ملازم نے آ کر کہا۔ ’’انسپکٹر دلیش پانڈے آئے ہیں، آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔‘‘

اس نے کہا۔ ’’انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں ابھی آتی ہوں۔‘‘

کچھ دیر بعد ہی وہ دونوں کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ دلیش پانڈے دو سپاہیوں کے ساتھ وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جے شری نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا ہوا مسٹر پانڈے! قاتل کا کوئی سراغ ملا؟''

وہ بولا۔ ''ہم پولیس والوں کے سامنے ہر کیس الجھی ہوئی ڈور ہوتا ہے لیکن ڈور کتنی ہی الجھی ہوئی کیوں نہ ہو' اس کا سرا اسی الجھن میں سے نکلتا ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں۔ جلد ہی کوئی نہ کوئی سرا ہاتھ آ جائے گا۔''

ماں جی نے پوچھا۔ ''میرے نواب کا بتاؤ' وہ کیا کر رہا ہے؟''

دلیش پانڈے نے کہا۔ ''وہ من موجی ہے۔ کہاں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ اب تک اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔''

ماں جی نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ جے شری نے پوچھا۔ ''منظور چاچا پر آپ کو کس حد تک شبہ ہے، جبکہ وہ اس معاملے سے لاتعلقی ظاہر کر رہے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ پھر بھی آپ نے انہیں حوالات میں بند کر رکھا ہے۔''

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''شبہے کی بنیاد پر تو ہم پولیس والے مقتول کے پریوار کو بھی ارسٹ کر لیتے ہیں اور وہ تو پھر یہاں کا چوکیدار ہے۔''

جے شری نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ساڑھے دس بج چکے ہیں۔ آپ کے بیٹے راہول ابھی تک نہیں آئے۔''

''ابھی ائیر پورٹ سے اس کا فون آیا تھا۔ بس وہ آنے ہی والا ہے۔''

ماں جی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ اس بچے پر کیوں شبہ کر رہے ہیں؟ قتل انڈیا میں ہوا ہے۔ لندن میں نہیں......''

دلیش پانڈے نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ''ارے آپ کیا جانیں ماں جی! یہ دنیا بہت فاسٹ ہو گئی ہے اور جہاں پیسہ ہو، وہاں لندن میں رہ کر بھی انڈیا میں بہت کچھ کرایا جا سکتا ہے۔''

جے شری نے ناگواری سے انسپکٹر کو دیکھا پھر کہا۔ ''ہاں۔ دنیا بہت فاسٹ ہو گئی ہے

لیکن ہماری پولیس اب تک ویسی کی ویسی ہے۔ سانپ کہیں سے گزرتا ہے اور یہ لکیر کہیں پیٹتی رہتی ہے۔''

دلیش پانڈے نے تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''مائنڈ یور لینگویج پلیز...... تفتیش کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمیں کس وقت، کس سمت جانا ہے؟''

جے شری نے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔ ایسے ہی وقت راہول نارائن دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں آیا تو وہاں انسپکٹر کو دیکھ کر ایک ذرا ٹھٹک گیا۔ جے شری بیٹے کو دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں بازو پھیلا کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''میری جان! تم آ گئے۔ میں بہت تنہا ہو گئی ہوں۔ دوسری بار ودھوا ہو گئی ہوں۔ اب مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔''

وہ بیٹے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کو چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ جن کی وجہ سے ہم ماں بیٹے جدا ہوئے، وہ ہماری دنیا سے جا چکے ہیں۔''

ماں جی نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''وہ تو چلے گئے ہیں، لیکن تمہارے لئے اور تمہاری ممی کے لئے مصیبت بن گئے ہیں۔''

جے شری نے شکایت بھری نظروں سے ماں جی کو دیکھا۔ راہول نے پوچھا۔ ''کیا مطلب......؟''

دلیش پانڈے نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''مطلب میں سمجھاتا ہوں۔''

راہول نے ماں سے الگ ہو کر اسے دیکھا، وہ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''میں انسپکٹر دلیش پانڈے...... یہ مرڈر کیس میرے ہاتھ میں ہے۔''

راہول نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''پلیز۔ آپ بیٹھیں۔ ممی نے مجھے صبح ہی انفارم کر دیا تھا۔ اس لئے رات کی فلائٹ سے چلا آیا۔''

وہ آمنے سامنے مختلف صوفوں پر بیٹھ گئے۔ دلیش پانڈے نے کہا۔ ''ہمیں آپ کے دکھ کا احساس ہے۔ وہ سوتیلے سہی لیکن آپ کے پتا جی تھے۔ ان کے انتم سنسکار کے لئے

آپ کو آنا ہی تھا۔“

راہول نے ناگواری سے منہ پھیرلیا۔ پانڈے نے کہا۔”جہاں مرڈر کی واردات ہوتی ہے، وہاں سگے ہوں یا سوتیلے، اپنے ہوں یا غیر۔ ہم پولیس والے ہر ایک کو شبہہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔“

راہول نے ذرا ٹھٹک کر اسے دیکھا، پھر پوچھا۔”جی۔ میں کچھ سمجھا نہیں......؟“

وہ بولا۔”میں یہاں آپ ہی کا انتظار کررہا تھا۔“

ماں جی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔”بیٹے! یہ لوگ تم پر شک کررہے ہیں کہ تم نے لندن میں رہ کر یہاں راکیش جی کو ہلاک کرایا ہے۔ یا پھر تم لندن میں نہیں تھے، یہیں دہلی میں کہیں تھے۔“

راہول نے ایکدم سے پریشان ہوکر اسے دیکھا۔ انسپکٹر نے کہا۔”سوری مسٹر راہول! میں اپنے فرض سے مجبور ہوں۔ میری تفتیشی نظر کسی کو بھی مشکوک بنا سکتی ہے اور آپ پر جو شبہہ کیا جارہا ہے۔ وہ ابھی، اسی وقت ختم ہوسکتا ہے۔ بس۔ آپ کو ہم سے ذرا سا تعاون کرنا ہوگا۔“

اس نے پوچھا۔”کیسا تعاون......؟“

اس نے پوچھا۔”آپ ابھی لندن سے آرہے ہیں؟“

اس نے ایک ذرا ہچکچا کر اسے دیکھا پھر کہا۔”جی۔ جی ہاں......“

”اپنا پاسپورٹ دکھائیں گے......؟“

راہول نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ جے شری نے دلیش پانڈے سے کہا۔”آپ اپنی تسلی کرلیں، تاکہ ہم ماں بیٹے بھی اطمینان سے مل سکیں۔“

پھر اس نے بیٹے سے کہا۔”لاؤ راہول! اپنا پاسپورٹ انہیں دکھاؤ۔“

وہ پریشان سا ہوکر کبھی انسپکٹر کو دیکھ رہا تھا اور کبھی ماں کو...... گوکہ راکیش کے قتل میں اس کا ہاتھ نہیں تھا لیکن پاسپورٹ سے یہ ثابت ہونے والا تھا کہ وہ مرڈر کی واردات سے تین روز قبل دہلی آیا تھا اور اب تک روپوش رہا تھا۔ ماں سے بھی اپنی آمد چھپاتا رہا تھا۔ ایسے میں پولیس تو کیا ماں بھی اسے شبہے کی نظر سے دیکھ سکتی تھی۔

جے شری نے اس کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔”راہول! کیا سوچ رہے ہو؟ پاسپورٹ نکالو......“

اس نے ہچکچا کر ماں کو دیکھا پھر انسپکٹر سے پوچھا۔”کیا پاسپورٹ دکھانا ضروری ہے؟“

وہ بولا۔”میرا خیال ہے، یہ کوئی ناجائز مطالبہ نہیں ہے۔ آپ کا تعاون ہمیں بھٹکنے سے بچا سکتا ہے۔“

جے شری نے کہا۔”بیٹے! کیوں بحث کررہے ہو؟ پاسپورٹ دکھاؤ اور جان چھڑاؤ۔“

اس نے بے بسی سے کہا۔”ممی! آپ سمجھ نہیں رہی ہیں۔ میں۔ میں......“

دلیش پانڈے اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ راہول نے اس سے کہا۔”اگر میں آپ سے تعاون کروں، تو کیا پھر بھی آپ مجھ پر شبہہ کریں گے؟“

وہ بولا۔”ہم صرف آپ کا پاسپورٹ چیک کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کنفرم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ آج کی فلائٹ سے دہلی پہنچے ہیں۔ پلیز، ہمیں اپنا فرض پورا کرنے دیں۔“

اس نے ماں کو دیکھا پھر پانڈے سے کہا۔”وہ۔ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میں اپنی ممی کو بہت چاہتا ہوں لیکن جب راکیش گپتا ہمارے بیچ آئے تو میں ممی سے ناراض ہوکر لندن چلا گیا تھا۔ وہاں جاکر احساس ہوا کہ مجھے اپنی ماں کو یہاں تنہا نہیں چھوڑنا چاہئے۔“

پانڈے نے مداخلت کرتے ہوئے پوچھا۔”راکیش جی کے یعنی اپنے پتی کے ہوتے ہوئے آپ کی ممی یہاں تنہا کیسے ہوسکتی تھیں؟“

راہول بولا۔”وہ ہمارے لئے ایک اجنبی شخص تھا۔ مجھے شبہہ تھا کہ اس نے اپنا کوئی مفاد حاصل کرنے کے لئے ممی سے شادی کی ہے۔ مگر یہ بات ممی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اسی لئے......“

وہ بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ جے شری تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔”میں اسے بے نقاب کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے

ہی کسی نے اس کا مرڈر کر دیا۔''

اس نے اپنا پاسپورٹ نکال کر انسپکٹر کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ راہول نے جے شری سے کہا۔''ممی! میں۔ میں تین روز پہلے دہلی آیا ہوں۔''

جے شری نے اور ماں جی نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ دلیش پانڈے نے پاسپورٹ چیک کرنے کے بعد کہا۔''ہوں۔ تو تم تین روز سے اسی شہر میں ہو۔''

وہ جلدی سے بولا۔''ہاں۔ میں یہاں روپوش رہ کر راکیش کی مصروفیات معلوم کر رہا تھا۔ ایسے میں ہی کسی نے اسے قتل کر دیا۔''

دلیش پانڈے نے جے شری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''ہاں تو میڈم! اب آپ کی ہم پولیس والوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟''

اس نے شکایت بھری نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ انسپکٹر نے کہا۔''ہم اسی لکیر کو پیٹتے ہیں، جہاں سے سانپ گزرتا ہے اور اسی لکیر کے ذریعہ سانپ کے بل تک پہنچتے ہیں۔ آپ نے بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ آپ کے صاحبزادے لندن میں ہیں۔''

اس نے وہ پاسپورٹ جے شری کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔''تو پھر یہ کیا ہے؟''

وہ اسے لے کر دیکھنے لگی۔ راہول نے کہا۔''ممی! میں آپ سے دور صرف اس لئے رہا کہ آپ میرے آنے کا سنتے ہی مجھے اپنے پاس بلالیں گی۔ جبکہ میں......''

پانڈے نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔''جبکہ آپ اپنا کام پورا کرنے کے بعد خود کو یہاں ظاہر کرنا چاہتے تھے۔''

وہ اس کی بات سن کر چونک گیا۔''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''وہی جو آپ چھپانا چاہتے تھے لیکن اس پاسپورٹ نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا ہے۔''

''میں اپنے آپ کو ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتا چکا ہوں۔ مجھے راکیش پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ ضرور ممی کو کوئی دھوکا دینے والا تھا، لیکن اس سے پہلے ہی......''

''لیکن اس سے پہلے ہی آپ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

وہ ایکدم سے اچھل پڑا۔ جے شری اور ماں جی بھی پریشان ہو گئی تھیں۔ انسپکٹر

صاف لفظوں میں قتل کا الزام راہول کے سر تھوپ رہا تھا۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔''آپ بالکل ناجائز بات کر رہے ہیں۔ بنا ثبوت کے مجھے قاتل ٹھہرا رہے ہیں۔''

''ثبوت بھی مل جائے گا۔ فی الحال آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے۔''

اس نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا وہ بولی۔''ایکسکیوزمی مسٹر پانڈے! آپ کس بنیاد پر میرے بیٹے کو گرفتار کر رہے ہیں؟''

''بنیاد کے لئے ان کا پاسپورٹ ہی کافی ہے۔ باقی کارروائی بھی ہوتی رہے گی۔ اگر یہ بے گناہ ہیں تو قانون ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ ہمارے مہمان بن کر رہیں گے۔''

بیٹا پریشان ہو کر ماں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر انسپکٹر سے بولا۔''میں واقعی بے گناہ ہوں۔ ہو نہ ہو، راکیش کا قتل اس لڑکی نے کرایا ہے، جس سے ملنے وہ اس کے اپارٹمنٹ میں جاتا رہا ہے۔''

جے شری نے چونک کر پوچھا۔''کس لڑکی کی بات کر رہے ہو؟''

وہ بولا۔''راکیش صحیح بندہ نہیں تھا ممی! اس کی مصروفیات کچھ مشکوک سی تھیں۔ وہ کل رات اس لڑکی سے ملنے کے بعد ایک شراب کی بھٹی میں گیا تھا۔ وہاں ایک ٹپوری قسم کے شخص باتیں کرتا رہا تھا۔ پھر یہاں چلا آیا تھا۔''

انسپکٹر نے کہا۔''اور یہاں آتے ہی آپ نے انہیں......''

وہ ایک ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔''پلیز انسپکٹر صاحب! آپ مجھے قاتل ٹھہرانے سے پہلے ٹھوس ثبوت اکٹھے کریں۔''

''قتل کی واردات رات کے تیسرے پہر تقریباً تین یا چار بجے ہوئی ہے۔ آپ نے انہیں کس وقت گھر آتے ہوئے دیکھا تھا؟''

''تقریباً بارہ ساڑھے بارہ کے قریب......''

انسپکٹر نے جے شری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''آپ کے نائٹ چوکیدار کا بیان ہے کہ راکیش جی رات کو دو یا ڈھائی بجے کے درمیان گھر آئے تھے۔''

راہول نے کہا۔''وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ راکیش بارہ بجے گھر پہنچ گیا تھا اس کے

بعد ہی میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں گیا تھا۔ اس وقت رات کا ایک بج چکا تھا۔ آپ وہاں کے منیجر سے پوچھ سکتے ہیں۔''

''پوچھ گچھ تو بہت کرنی ہے۔ وہ شراب کی بھٹی اور وہ لڑکی بہت اہم ہے۔ آپ ہمارے ساتھ تھانے چلیں۔ اپنا بیان ریکارڈ کرائیں۔ صرف ایک جھوٹ کی بنا پر ہم آپ کو حوالات میں بند کریں گے۔ اس جھوٹ کی وجہ سے ہی آپ مشکوک ہو گئے ہیں۔''

جے شری نے پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھا۔ وہ ابھی آیا تھا۔ ماں کے کلیجے سے لگتے ہی قانون کے ہاتھ اسے چھین کر لے جا رہے تھے۔ اس نے عاجزی سے پوچھا۔ ''کیا آپ ہماری ضمانت پر اسے چھوڑ نہیں سکتے؟ آپ جتنی رقم کہیں گے' میں ابھی سامنے رکھ دوں گی۔''

''یہاں آپ سے رقم لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں رشوت لے رہا ہوں۔ سوری' آپ کورٹ سے ضمانت حاصل کریں۔''

ماں نے بے بسی سے بیٹے کو دیکھا۔ وہ بولا۔ ''ڈونٹ وری ممی! کل ہمارا وکیل کورٹ سے ضمانت نامہ لے آئے گا۔''

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ انسپکٹر سے بولا۔ ''چلیں' آپ اپنی ڈیوٹی پوری کریں۔''

وہ راہول کو لے کر وہاں سے چلا گیا۔ ماں جی نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''اب کیا ہوگا؟ وہ بچہ ابھی آیا تھا۔ اس نے تو گھر کا کھانا بھی نہیں کھایا، اور یہ کم بخت اسے حوالات میں لے گئے۔''

ماں جی نے کہا۔ ''یہاں یہ حالات ہیں، پتہ نہیں نواب کہاں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟''

جے شری گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بیٹے کی یہ بات سچ لگ رہی تھی کہ وہ راکیش کو سمجھنا چاہتا تھا، اس لئے ماں سے چھپا ہوا تھا۔ ہر ماں اپنے بیٹے پر اندھا یقین کرتی ہے لیکن کیا کیا جائے قانون اندھا نہیں ہوتا۔

☆======☆======☆

حوالات کے اندر نیم تاریکی تھی۔ برآمدے کی مدھم سی روشنی آہنی سلاخوں سے گزر کر اندر آ رہی تھی اور وہاں کی تاریکی کو کسی حد تک کم کر رہی تھی۔ ہلکی ہلکی دھندلی سی

روشنی میں وہاں تین قیدی دکھائی دے رہے تھے۔

پہلا قیدی وہی بوڑھا گارڈ منظور چاچا تھا۔ غربت بڑی ظالم ہوتی ہے۔ جہاں یہ ہو، وہاں کسی بیمار کا علاج نہیں ہوتا، یہ ہو تو تن پر کپڑے اور پاؤں میں جوتی نہیں ہوتی، یہ ہو تو کسی جوان بیٹی بہن کی ڈولی نہیں اٹھتی۔ وہ بوڑھا اپنی بے بسی سے عاجز آ گیا تھا۔ ایسے میں نائیک نے اسے سبز باغ دکھائے تھے۔ وہ اپنی جوان بیٹی کو خوشیاں دینے اور اس کا علاج کرانے کی خاطر اس عمر میں حوالات کی سختیاں جھیل رہا تھا۔

دوسرا قیدی برتن تھا، دو گھنٹے پہلے پاکٹ مارنے کے الزام میں اندر آیا تھا، اور تیسرا قیدی وہی موالی تھا جو نائیک کا قاصد بن کر وہاں پہنچا ہوا تھا۔ برتن نے اس بوڑھے قیدی کو دیکھا۔ وہ پتھریلی دیوار سے ٹیک لگائے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ برتن اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''سگریٹ پیو گے؟''

اس نے تعجب سے اسے دیکھا پھر کہا۔ ''میں نے سنا ہے، حوالات میں سگریٹ پینے کی اجازت نہیں دی جاتی؟''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''تم نے ٹھیک سنا ہے۔ مگر یہ ہمارا مہمان خانہ ہے، ہم یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ سنتری بادشاہ سگریٹ پینے کی چھوٹ دے دیتے ہیں۔ لو پیو......''

منظور نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں۔ میں تمباکو نوشی نہیں کرتا۔ ویسے تم کون ہو؟ صورت شکل سے مسلمان دکھائی دے رہے ہو۔''

برتن سگریٹ سلگا کر اس کا ایک کش لیتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ میں مسلمان ہوں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد کرتا ہے اور میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔''

منظور نے تعجب سے اسے دیکھا پھر پوچھا۔ ''تم میری مدد کرنے کیوں آئے ہو؟''

برتن اس کی طرف جھک کر بڑی آہستگی سے بولا۔ ''میں دادا نواب کا آدمی ہوں۔ کیا تم دادا نواب کو جانتے ہو؟''

بوڑھے منظور نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں۔ میں اس نام کے کسی بندے کو نہیں جانتا۔''

برتن بولا۔ ''ارے ہاں۔ تم شریف آدمی ہو، اسے کیسے جانو گے؟ وہ اس شہر کا سب

سے بڑا بدمعاش ہے۔ سب ہی اس کا نام سن کر کانپنے لگتے ہیں۔ وہ جس کا دشمن بن جاتا ہے' موت بھی اس کی دشمن بن جاتی ہے۔ کیا تم اس سے دشمنی کرو گے؟''

منظور نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جسے میں جانتا بھی نہیں' اس سے کیوں خواہ مخواہ دشمنی کروں گا؟ ابھی میرا دماغ خراب نہیں ہوا ہے؟''

''ہاں۔ دادا نواب نے یہی کہا ہے، اگر دماغ ٹھکانے پر ہے تو اس قاتل کا نام بتادو۔''

منظور چاچا نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر گھبرا کر کہا۔ ''کک۔ کون قاتل؟ مم۔ میں کسی قاتل کو نہیں جانتا۔ تم کیسی باتیں کررہے ہو؟''

برتن سگریٹ کا دھواں اس کے منہ پر چھوڑتا ہوا بولا۔ ''ٹھیک ہے، نہ بتاؤ۔ کل تمہاری پڑوسن رضیہ بی بی تم سے ملنے آئے گی۔ وہ تمہیں بتائے گی کہ دادا نواب تمہارے گھر میں، تمہاری جوان بیٹی کے ساتھ رہنے لگا ہے۔''

وہ غصے سے کانپتے ہوئے بولا۔ ''نہیں۔ یہ جھوٹ ہے۔''

''دیکھو بڑے میاں! مجھ سے اونچی آواز میں بات نہ کرنا۔ میں یہاں تمہاری بھلائی کے لئے آیا ہوں۔ تم سے سچ کہہ رہا ہوں' یا نہیں یہ کل رضیہ بی بی سے معلوم ہو جائے گا۔''

منظور چاچا اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ برتن نے کہا۔ ''تمہاری بیٹی بھی چاہتی ہے کہ وہ دادا نواب کے ساتھ رہے۔ وہ بالغ ہے، جب اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو کوئی دادا نواب کو تمہارے گھر سے نہیں نکال سکے گا۔ وہ فوراً ہی کسی مولوی کو بلا کر نکاح پڑھوالے گا۔''

منظور چاچا اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ''یہ کیا بکواس کررہے ہو؟ میں اپنی بیٹی کو سمجھاؤں گا، وہ کبھی ایسا غلط قدم نہیں اٹھائے گی۔''

''کیسے سمجھاؤ گے؟ جبکہ وہ نہیں جانتی' تم یہاں حوالات میں پڑے ہوئے ہو۔ کیا بیمار بیٹی کو یہ صدمہ پہنچا کر اسے مار ڈالنا چاہو گے؟''

منظور نے پریشان ہو کر اسے دیکھا، وہ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ ''بہتری اسی

میں ہے کہ تم اس قاتل کا نام بتادو۔ اگر بتادو گے تو دادا نواب عزت آبرو سے تمہاری بیٹی کا سہارا بن جائے گا، ورنہ اس کی جوانی سے کھیل کر اسے بدنام کردے گا۔ بولو، کیا منظور ہے؟''

بڑے میاں کے ہوش اڑ گئے تھے۔ جس بیٹی کے لئے وہ حوالات کی سختیاں جھیل رہا تھا' اب اس کی زندگی اور اس کی آبرو ایک بدمعاش کی مٹھی میں تھی۔

برتن نے سگریٹ کو فرش پر رگڑ کر بجھاتے ہوئے کہا۔ ''دادا نواب کا ساتھ دو گے تو بیٹی کی عزت بھی رہے گی اور وہ تمہیں بھی سزا سے بچالے گا۔ تم نے پولیس کو جو بیان دیا ہے۔ اسی پر قائم رہو، صرف ہمیں بتادو کہ وہ اصل مجرم کون ہے؟''

منظور چاچا کے دماغ میں یہ بات پک رہی تھی کہ وہ پولیس کا کوئی کارندہ ہوسکتا ہے، سچ اگلوانے کے لئے جھوٹی کہانی بنا رہا ہے، بیٹی کا حوالہ دے کر اسے کمزور بنا رہا ہے تاکہ وہ فوراً ہی سچ اگل دے۔

اس نے ایک ذرا سنبھلتے ہوئے کہا۔ ''میں نہیں جانتا، تم کون ہو اور کس دادا نواب کی بات کررہے ہو؟ جب تک رضیہ بی بی سے بات نہیں کروں گا' تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا اور جواب کیا دوں؟ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے اور نہ ہی میں کسی مجرم کو جانتا ہوں۔ میں انسپکٹر صاحب سے درخواست کروں گا کہ کل صبح میری بیٹی کو کسی دارالامان میں پہنچادیا جائے۔''

برتن نے دھمکی دینے کے انداز میں کہا۔ ''اچھی طرح سوچ لو! کہیں تمہاری بیٹی دارالامان کے بجائے دارالبقا میں نہ پہنچ جائے۔ اگر تھانیدار کے سامنے تم نے دادا نواب کا نام لیا تو یاد رکھو! بیٹی کی صورت دیکھنے کو ترس جاؤ گے۔ وہ دادا نواب کے پاس رہے گی یا ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہوجائے گی۔''

منظور اندر سے سہم گیا تھا لیکن ایسا ظاہر کررہا تھا، جیسے اس کی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا ہے۔ برتن اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''پولیس تمہاری بیٹی کے پاس بعد میں پہنچے گی پہلے دادا نواب اس پر خوب ہاتھ صاف کرے گا۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ گیا، اس سے دور جا کر بیٹھ گیا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ بوڑھا دھمکی میں نہیں آئے گا۔ وہ یہ سوچ کر مطمئن ہورہا ہے کہ اپنی بیٹی کو کسی دارالامان

میں پہنچا دے گا۔

منظور گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی نائیک کا بھیجا ہوا وہ موالی اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اپنی جیب سے ایک سگریٹ نکالتے ہوئے بولا۔ ''سگریٹ پیئے گا؟''

اس نے چونک کر اس دوسرے آنے والے کو دیکھا۔ اس کا بھی وہی انداز تھا۔ اس نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں سگریٹ نہیں پیتا۔''

وہ سگریٹ کو سُلگاتے ہوئے بولا۔ ''اچھی بات ہے۔ سالا اس کا دھواں جندگی کو دھواں بنا دیتا ہے۔''

وہ کش پہ کش لگا رہا تھا۔ منظور ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گیا۔ موالی نے پوچھا۔ ''وہ کون ہے جو ابھی تیرے سے باتیں کر رہا تھا؟''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''کوئی بدمعاش ہے، بدمعاشی کی باتیں کر رہا تھا۔''

وہ اس کے قریب جھک کر بڑی آہستگی سے بولا۔ ''پر اپن بدمعاش نہیں ہے۔ اپن کو اس آدمی نے بھیجا ہے' جس کے لئے تو یہاں حوالات میں آیا ہے۔''

منظور نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ نائیک کو نام سے نہیں جانتا تھا لیکن یہ جان گیا کہ وہ کس کا قاصد بن کر آیا ہے؟ وہ سگریٹ کا ایک لمبا کش لینے کے بعد بولا۔ ''وہ زبان کا دھنی ہے، جو وعدہ کرتا ہے، اسے ہمیشہ نبھاتا ہے۔ اس نے بولا ہے کہ وہ تیری بیٹی کو ہر ماہ پانچ ہزار روپے دیا کرے گا اور اس کی برابر رکھشا کرتا رہے گا۔''

منظور نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہی میری بیٹی کی حفاظت ہو رہی ہے؟ وہ آدمی جو ابھی میرے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ کہتا ہے کہ وہ اس شہر کے سب سے بڑے بدمعاش دادا نواب کا آدمی ہے۔''

وہ موالی دادا نواب کے نام سے اور اس کی بدمعاشی سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا تو سچ بول رہا ہے؟''

''ہاں۔ وہ کہتا ہے، دادا نواب میرے گھر میں، میری بیٹی کے ساتھ رہتا ہے۔''

اس نے سر گھما کر برتن کو دیکھا۔ وہ ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو موالی کو دھندلا دھندلا سا یاد آنے لگا۔ اس سے پہلے بھی سامنا ہو چکا تھا۔ اس نے سر گھما کر

منظور سے کہا۔ ''وہ سالا جھوٹ بولتا ہے۔ دادا نواب آج ہی جیل سے چھوٹ کر آیا ہے۔ اگر وہ کسی طرح تیرے گھر تک پہنچ گیا ہے تو ہم اس سے نپٹ لیں گے۔ پر تو یاد رکھ! کسی دھمکی سے یا کسی سالے کی باتوں سے گھبرا کر کسی کو کچھ نہ بولنا، ورنہ جانتا ہے۔ تو نے دشمنی کی تو وہ تیری بیٹی کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ وہ ہاتھ سے بے ہاتھ ہوتے ہوتے بازاری بن جائے گی۔''

منظور نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ وہ سگریٹ کو فرش پر رگڑتے ہوئے بولا۔ ''فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ بیٹی کی آبادی چاہتا ہے یا بربادی......؟''

وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ پچیس ہزار کے لالچ میں وہ کتنی ہی مشکلات سے دوچار ہو رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ دادا نواب کتنا خطرناک آدمی ہے مگر یہ جانتا تھا کہ وہ ایک قاتل کے لئے کام کر رہا ہے، اگر اس کا ساتھ نہیں دے گا تو وہ اس کی بیٹی کو بازاری بننے کے لئے بے یارو مددگار چھوڑ دے گا۔

فی الحال بیٹی کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ جس کے لئے کام کر رہا ہے' اسی کا وفادار بن کر رہے۔ حالات نے اسے سمجھا دیا کہ وہ اپنی زبان بند رکھے۔

☆======☆======☆

ہنگامہ، دادا نواب کو اور انجلی کو چلمن کے گھر پہنچا کر چلا گیا تھا۔ وہ دادا کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ جیپ کی آواز سنتے ہی اس نے دروازہ کھولا تو اس کے ساتھ ایک اجنبی لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ دادا اس کی نگاہوں کے سوال کو سمجھتے ہوئے بولا۔ ''چلمن! یہ تیری ہونے والی نند ہے۔ یعنی میری بہن ہے یہ تیرے ساتھ یہاں رہے گی۔ تجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟''

وہ حیران پریشان سی ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ دونوں اندر آ گئے۔ دادا نواب اسے بتا چکا تھا کہ اس کا نہ کوئی بھائی ہے نہ بہن ہے پھر یہ لڑکی جسے وہ بہن کہہ رہا ہے کہاں سے آ گئی؟ انجلی اس کا چہرہ پڑھ رہی تھی۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ وہ لڑکی دادا کی ہونے والی بیوی ہے، لیکن کچھ پریشان سی دکھائی دے رہی ہے۔

وہ تینوں آمنے سامنے دو چار پائیوں پر بیٹھ گئے۔ دادا نواب نے کہا۔ ''اس کا نام

انجلی ہے۔حالات کی ماری ہوئی ہے، ہمارے پاس محبت اور تحفظ تلاش کرنے آئی ہے۔کیا تو اسے اپنے ساتھ رکھے گی؟"

چلمن نے جلدی سے کہا۔"کیوں نہیں؟"

انجلی نے مسکرا کر دادا نواب کو دیکھا پھر کہا۔"یہ چلمن ہے ناں؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔انجلی چلمن کا ہاتھ تھام کر بولی۔"بہت خوش نصیب ہو، تمہیں ایسا چاہنے والا ملا ہے۔تمام راستے صرف تمہاری ہی باتیں کرتا رہا ہے۔اتنی تعریفیں سننے کے بعد تم سے ملنے کو بے چین ہو رہی تھی اور اب دیکھ رہی ہوں' جتنا بھیا نے کہا تھا، تم اس سے بھی بڑھ کر ہو۔"

اس نے اپنی تعریف سن کر سر جھکا لیا۔اسے اس بات کی خوشی تھی کہ دادا نواب گھر سے باہر بھی اس کا ذکر کرتا رہتا ہے۔اس نے چور نظروں سے اس بدمعاش عاشق کو دیکھا۔اس وقت وہ اسے انجلی کے حالات بتا رہا تھا۔وہ تمام باتیں سن کر بڑی ہمدردی سے بولی۔"میں اسے اتنی محبتیں دوں گی کہ یہ اپنی تمام بدنصیبی کو بھول جائے گی۔"

انجلی نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔"کاش ایسا ہو جائے۔زندگی جو زخم دیتی ہے' وہ بڑی مشکل سے بھرتے ہیں۔"

وہ دونوں اسے تسلیاں اور حوصلہ دیتے رہے۔پھر چلمن نے پوچھا۔"میرے بابا کا کیا ہوا؟"

وہ بولا۔"میں نے اپنا ایک آدمی حوالات میں بھیجا ہے۔صبح تک پتا چلے گا کہ تیرا بابا ہمارا ساتھ دے گا یا نہیں؟"

وہ ایک ذرا پریشان ہو کر بولی۔"اگر بابا نے اس مجرم کا نام بتا دیا تو کیا ہوگا، وہ تو ہمارے پیچھے پڑ جائے گا۔"

نواب بولا۔"اپنے نواب کے ہوتے ہوئے ڈر رہی ہے؟ کس مائی کے لال میں ہمت ہے جو تجھے یا تیرے بابا کو میلی نظر سے دیکھے؟ میں اس کی آنکھیں نکال کر ہتھیلی پر رکھ دوں گا۔"

انجلی انہیں دیکھ رہی تھی، ان کی باتیں سن رہی تھی، وہ ہمیشہ سے ایسے ہی جیون ساتھی

کے خواب پلکوں پر سجائے رکھتی تھی جو دنیا کی پرواہ نہ کرتا ہو۔جس کے اندر حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کا حوصلہ ہو۔ایسا شخص اسے نہیں ملا تھا لیکن وہ دیکھ رہی تھی کہ چلمن کو مل رہا ہے۔وہ دل ہی دل میں اس کی قسمت پر رشک کر رہی تھی لیکن اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اسے جی دار جیون ساتھی نہ ملا' نہ سہی، جی دار بھائی تو مل گیا تھا جس کی پناہ میں وہ خود کو بہت محفوظ اور مطمئن سمجھ رہی تھی۔

اس نے دادا نواب سے پوچھا۔"اس کے بابا کا کیا مسئلہ ہے؟"

نواب اسے تمام تفصیلات بتانے لگا۔اس دوران میں چلمن وہاں سے اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی تھی۔کچھ دیر بعد کھانے کی ٹرے لے کر واپس آئی تو دادا نواب نے پوچھا۔"ارے یہ کیا؟ تیری تو طبیعت خراب تھی پھر یہ کھانا......؟"

وہ کھانے کے برتن ایک میز پر رکھتے ہوئے بولی۔"مجھے تمہارے لئے پکانا اچھا لگ رہا تھا۔اب جیسا بھی پکایا ہے' کھانا ہوگا۔"

انجلی نے کہا۔"تم دونوں کھاؤ۔میں کھا چکی ہوں۔"

دادا نواب ہاتھ دھو کر چلمن کے ساتھ کھانے لگا۔انجلی کو بھی زبردستی لیکن بڑے پیار سے دو چار لقمے کھلائے پھر وہ اپنی اٹیچی اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔وہ انہیں تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع دے رہی تھی۔

دادا نے تنہائی ملتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔"کیا بات ہے صبح کچھ اور تھی، دوپہر کو کچھ اور دکھائی دے رہی تھی اور اب تو کھل کر پھول بن گئی ہے۔بخار اترتا جارہا ہے اور نور چڑھتا جارہا ہے۔"

چلمن ایک ذرا شرما کر بولی۔"یہ تیری محبت کا نور ہے۔اتنی جلدی تو ڈاکٹر کی دوا اثر نہیں کرتی، جتنی جلدی تیری چاہت نے مجھے چلنے پھرنے کے قابل بنا دیا ہے۔سچ کہتی ہوں، تو نے میرے اندر ایک نئی روح پھونک دی ہے۔"

وہ کھا رہے تھے اور محبت بھری باتیں کر رہے تھے۔گھر اتنا بڑا نہیں تھا کہ دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی انجلی ان کی باتیں سن نہ پاتی۔وہ سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔"یہاں مسلمانوں کے درمیان آکر دیکھ رہی ہوں، یہ غیروں سے اتنی محبت کرتے

ہیں تو اپنوں پر کیسے جان چھڑکتے ہوں گے؟ کیا ہم ہندوؤں کے پریوار میں محبتیں نہیں ہوتیں؟ ایک میں ہی نہیں رادھا (مِس یونیورس) بھی اپنوں سے زخم کھائی ہوئی لڑکی ہے۔''

اس نے ایک سرد آہ کے ساتھ سوچا۔'' آہ! اب تک اپنے دھرم کے لوگوں کے ساتھ رہی، نفرت اور خود غرضی ہی دیکھتی رہی۔ اب ان مسلمانوں کے ساتھ کچھ وقت گزارا ہے اور یہ وقت میری اب تک کی زندگی پر بھاری ہے۔ کیا ہم ہندوؤں میں بھی ایسے بے غرض محبت کرنے والے افراد ہوتے ہیں؟ اور اگر ہوتے ہیں تو مجھے یا رادھا کو کیوں نہیں ملے؟''

انجلی متاثر ہو کر سوچ رہی تھی۔ دادا نواب کی آواز پر چونک گئی۔ وہ اندر آتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ''کس سوچ میں گم ہو؟''

انجلی نے مسکرا کر کہا۔ ''سوچ رہی ہوں، کیا تمہارے جیسے لوگ ہمارے دھرم میں بھی ہوتے ہیں؟ کسی دیوتا کی طرح ہر ایک سے محبت کرنے والے۔ یا یہ خاصیت صرف تم مسلمانوں کے حصے میں آئی ہے؟''

نواب بولا۔ ''ایسی بات نہیں ہے۔ اچھے برے لوگ تو ہر جگہ، ہر مذہب میں ہوتے ہیں۔ اگر ہم تمہیں اچھے لگے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سارے مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جس طرح تمہارے دھرم کے لوگوں میں کالی بھیڑیں ہیں بالکل اسی طرح ہمارے مذہب میں بھی ہزاروں شیطان موجود ہیں۔ دنیا کا کوئی مذہب برا نہیں ہے۔ لیکن کبھی کسی پر یہ سوچ کر بھروسہ نہ کرنا کہ یہ مذہب اچھا ہے، اس کے ماننے والے بھی سب اچھے ہوں گے۔ مسجد ہو، مندر ہو یا چرچ، شیطان اور اس کے چیلے ہر جگہ موجود رہتے ہیں۔''

انجلی بولی۔ ''میں تو اپنے تجربات کی روشنی میں جو دیکھ رہی ہوں، اسی کے مطابق سوچ رہی ہوں۔ اب دیکھو ناں! چلمن کے بابا کو جو مجرم بلیک میل کر رہا ہے، وہ بھی ایک ہندو ہے۔''

وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا پھر بولا۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو، جو دیکھ رہی ہو اسی کے مطابق سوچ رہی ہو لیکن تم بھی تو ایک ہندو ہو۔ کیا تمہارے سینے میں محبت بھرا دل نہیں ہے؟ اور

جب تمہارے پاس ایسا دل ہے تو ہندوستان میں نہ جانے کتنے ہندو ہوں گے، جن کے سینے میں تمہارے جیسا محبت بھرا دل دھڑکتا ہوگا۔ ہاں۔ یہ بات الگ ہے کہ تمہارا ان سے کبھی واسطہ نہیں پڑا لیکن میں نے تو دنیا دیکھی ہے۔''

وہ قائل ہو کر سن رہی تھی۔ چلمن نے وہاں آ کر کہا۔ ''نواب! میں نے تمہارا بستر دوسرے کمرے میں لگا دیا ہے۔ ہم دونوں یہاں سوئیں گی۔ بس ذرا وہ دوسری چارپائی اٹھا کر یہاں کمرے میں بچھا دو۔''

بستر کرنے کے بعد وہ تینوں کافی دیر تک جاگتے رہے، باتیں کرتے رہے اور ایک دوسرے کے بارے میں بہت کچھ جانتے رہے۔ پھر نیند کی وادیوں میں کھو گئے۔

صبح صبح کسی کھٹکے کی آواز پر انجلی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھا تو اس کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا اور چلمن کی چارپائی خالی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر دبے قدموں چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ دوسرے کمرے میں اپنے نواب کے پاس چلی گئی ہے۔

اس نے ایک ذرا جھانک کر دیکھا تو دادا نواب اپنے بستر پر ہاتھ پاؤں پھیلائے گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔ غسل خانے میں پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ چلمن نہا رہی ہے۔

وہ واپس اپنے بستر پر آ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ تولئے سے بالوں کو پونچھتی ہوئی وہاں آئی، انجلی کو دیکھ کر بولی۔ ''تم کیوں جاگ گئیں؟ ابھی سورج نہیں نکلا ہے۔ نیند پوری کر لو۔''

''کیا تم روز اتنی ہی جلدی اٹھ جاتی ہو؟''

وہ بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے بولی۔ ''جب سے اماں کا انتقال ہوا ہے، تب سے طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ میری نمازیں چھوٹتی رہی ہیں لیکن آج خود بخود ہی فجر کی اذان پر آنکھ کھل گئی تو نماز پڑھنے کے لئے اٹھ گئی۔''

''یعنی نواب کے آ جانے کے بعد تمہاری زندگی کی یہ پہلی نماز ہوگی، جس میں تم صرف اپنے بابا کے لئے ہی نہیں، اپنے نواب کے لئے بھی دعا مانگو گی؟''

چلمن نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''یہ آدمی نہیں فرشتہ ہے۔ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا مسیحا ہے۔ پتہ نہیں میں نے ایسی کون سی نیکی کی تھی جس کے صلے میں یہ مجھے مل گیا؟ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں اس کے لئے کیا مانگوں؟''

انجلی اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''زیادہ کچھ نہ مانگو۔ بس یہ دعا کرتی رہو کہ یہ تمام عمر ایک محبت کرنے والا پتی بن کر رہے۔''

اس نے بالوں کو لپیٹ کر جوڑا بنایا پھر ایک بڑی سی چادر اوڑھنے کے بعد جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنے لگی۔ انجلی اسے دیکھتی رہی۔ وہ آخری رکعت کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگی پھر اٹھ کر جائے نماز تہہ کرتے ہوئے بولی۔ ''تم کیوں جاگ رہی ہو؟ میں تو بس نماز پڑھنے کے لئے اٹھی تھی۔ اب کچھ دیر سونے کے بعد آٹھ بجے تک دوبارہ اٹھوں گی۔''

انجلی بولی۔ ''مجھے پوجا کرنی ہے، لیکن یہ مسلمانوں کا محلہ ہے۔ یہاں نہ مندر ہوگا، نہ تُلسی کا پودا اور نہ ہی کسی گھر میں بھگوان کی کوئی تصویر ہوگی۔''

چلمن تائید میں سر ہلا کر بولی۔ ''ہاں۔ یہ تو ہے۔ یہاں رہ کر تم پوجا نہیں کر پاؤ گی۔''

انجلی مسکرا کر بولی۔ ''کیوں نہیں کر پاؤں گی؟ کیا میں تمہارے خدا سے پرارتھنا، میرا مطلب ہے، دعا نہیں مانگ سکتی؟ بھگوان تو ہر جگہ موجود ہے، کہیں خدا کے روپ میں تو کہیں بھگوان کے روپ میں۔ آج میرے سامنے کوئی مورتی نہیں ہے، لیکن دل میں ایک ایسی ذات ہے جس پر مجھے یقین ہے کہ وہ میری دعا قبول کرے گی۔ تمہارے ساتھ رہ کر وہ خدا بن گیا ہے، اور اگر وہ کسی ہندو گھرانے میں ہوتا تو بھگوان کہلاتا۔''

چلمن خوش ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ بڑی عقیدت سے بولی۔ ''تم بہت اچھی ہو اور خدا اچھے لوگوں کی دعا ضرور سنتا ہے۔ تم مانگ کر تو دیکھو! وہ تمہارا دامن خوشیوں سے بھر دے گا۔''

انجلی اس سے الگ ہو کر باہر چلی گئی، کچھ دیر بعد اندر آئی تو اس کا منہ دھلا

ہوا تھا۔ ساڑھی کا آنچل سر پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنے بستر پر دوزانو ہو کر بیٹھ گئی، دونوں ہاتھ جوڑ کر خدا سے کچھ مانگنے لگی۔ چلمن متاثر ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے بعد آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر کہا۔ ''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''تمہیں دیکھ کر ایسا لگ رہا ہے، جیسے مجھے ایک بہن مل گئی ہے۔''

انجلی کی آنکھیں بھیگنے لگیں، ایک عمر گزارنے کے بعد اسے محسوس ہو رہا تھا، جیسے وہ اپنوں کے درمیان آ گئی ہے۔ وہ کچھ دیر تک باتیں کرتی رہیں، پھر سو گئیں۔

صبح کے نو بج چکے تھے۔ ایسے ہی وقت بیرونی دروازے پر دستک سنائی دی۔ دادا نواب نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں پھر بلند آواز میں پوچھا۔ ''کون ہے؟''

باہر سے برتن کے ایک ساتھی کی آواز سنائی دی۔ ''میں ہوں دادا! دروازہ کھولو۔''

انجلی اور چلمن بھی بیدار ہو گئی تھیں۔ دادا نواب نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ پھر اس آنے والے کو اندر بلاتے ہوئے پوچھا۔ ''ہاں۔ بول، کیا خبر ہے؟''

وہ دونوں بھی سن رہی تھیں۔ وہ آنے والا اسے بتا رہا تھا۔ ''وہ بابا دھمکی میں نہیں آیا ہے۔''

دادا نے کہا۔ ''برتن نے اسے کہا نہیں کہ وہ اپنا بیان نہ بدلے، پولیس کو اصلی قاتل کا نام نہ بتائے، صرف ہمیں بتا دے، ہم خود ہی اس مجرم سے نمٹ لیں گے۔''

''برتن نے یہی کہا تھا، مگر بابا کہتا ہے کہ وہ کسی مجرم کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ اسے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تم اس شہر کے بہت بڑے بدمعاش ہو اور اس وقت اس کی بیٹی کے ساتھ اسی کے مکان میں رہ رہے ہو۔ اگر وہ قاتل کا نام نہیں بتائے گا تو اس کی بیٹی کو نقصان پہنچے گا۔ مگر وہ بوڑھا بڑا پکا ہے دادا! کہتا ہے کہ وہ آج ہی انسپکٹر سے بات کرے گا اس سے کہے گا کہ اس کی بیٹی کو دارالامان پہنچا دیا جائے۔''

دادا نے جھنجھلا کر کہا۔ ''اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''آج رضیہ بی بی اس سے ملاقات کرنے جائے گی۔ اس نے کہا ہے، پہلے وہ اس سے تصدیق کرے گا کہ تم اس کے گھر میں ڈیرہ جمائے ہوئے ہو یا نہیں؟''

ہنگامہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ ''اور ایک اہم خبر ہے۔ رات انسپکٹر دلیش پانڈے نے جے شری کے بیٹے راہول نارائن کو گرفتار کیا ہے۔ سنا ہے، وہ لندن سے آج نہیں بلکہ تین روز پہلے آیا تھا۔ سب سے چھپ کر کسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ پولیس کو شبہ ہے کہ راکیش کو اسی نے ٹھکانے لگایا ہے۔''

''یہ تو بڑی زوردار خبر ہے۔''

ہنگامہ ایک ذرا چونک کر بولا۔ ''ہاں دادا! ایک اور اہم بات۔ وہاں ایک اور موالی بھی تھا۔ وہ بابا سے بڑی رازدارانہ گفتگو کرتا رہا ہے۔''

''اچھا۔ پھر تو سمجھو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ برتن سے کہو، وہ اس کی صورت یاد کر لے۔ ہو نہ ہو، وہ اسی مجرم کا کارندہ ہوگا۔ جیسے ہی حوالات سے باہر آئے گا' ہم اس کی گردن ناپ لیں گے۔''

ایسے ہی وقت موبائل فون کا بزر بولنے لگا۔ دادا نواب نے اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو......!''

دوسری طرف سے جے شری کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو نواب! میں بول رہی ہوں۔ رات کو فون کرنا چاہتی تھی مگر تمہارا نمبر انگیج جا رہا تھا۔ یہاں نئی پریشانی پیدا ہو گئی ہے۔ راہول کو......''

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''جی مجھے خبر مل گئی ہے۔ آپ فکر نہ کریں، جلد ہی اصل مجرم سامنے آ جائے گا۔''

''فی الحال تو میں اپنے وکیل کے ساتھ تھانے جا رہی ہوں۔ راہول کو ضمانت پر رہا کراؤں گی۔ یہ لو! اپنی ماں جی سے بات کرو۔''

تھوڑی دیر بعد ہی فون پر ماں جی کی آواز سنائی دی۔ ''تجھے میرے سینے سے لگنے کی بڑی بے چینی تھی، علاقے کا دادا بنا پھرتا ہے۔ کہاں گئی تیری داداگیری......؟ کہہ رہا تھا، ماں جی کے گلے لگنے کے لئے بیٹا ہر زنجیر توڑ کر آ سکتا ہے، ایک کام کہا وہ بھی تجھ سے نہ ہو سکا۔''

''ارے۔ ارے۔ اتنی روانی میں بولتی چلی جائے گی تو سانس پھول جائے

گی۔ تجھے کیا پتا، یہ بیٹا تیرے کلیجے سے لگنے کے لئے کیسے پاپڑ بیل رہا ہے لیکن وہ تیری مالکن کا چوکیدار رکاوٹ بن رہا ہے۔ وہ آج سچ اگل دے تو کل ہی وہ سالا مجرم قانون کے قدموں میں ہوگا اور میں تیرے قدموں میں......''

''کیا منظور چاچا اس قاتل کو جانتا ہے؟''

''ہنڈرڈ پرسنٹ...... لیکن یہ بات میں نے اب تک پولیس والوں کو نہیں بتائی ہے۔ انہیں بھنک بھی پڑ جائے گی تو وہ سچ اگلوانے کے لئے اس بے چارے بوڑھے کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دیں گے۔ میں نرمی سے کام لے رہا ہوں۔''

''تجھے غلط فہمی ہو رہی ہے۔ بھلا منظور چاچا اس مجرم کا ساتھ کیوں دے گا؟''

''ماں جی! یہ غربت بڑی ظالم ہوتی ہے۔ وہ اپنی جوان بیٹی کے روشن مستقبل کی خاطر جھوٹ بول رہا ہے۔ سب سے سچائی چھپا رہا ہے۔''

''پھر تو اس سے سچ کیسے اگلوائے گا، جبکہ وہ پولیس کی حراست میں ہے؟''

''اس کی بیٹی میرا ساتھ دے رہی ہے۔ میرے پاس ہے۔ منظور چاچا کی یہی کمزوری اسے سچ اگلنے پر مجبور کر دے گی۔''

ماں جی نے چونک کر کہا۔ ''کیا؟ تو نے اس کی بیٹی کو اپنے قبضے میں رکھا ہوا ہے؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''ارے نہیں ماں جی! وہ اپنی مرضی سے میرے ساتھ ہے اور آئندہ بھی رہنا چاہتی ہے۔ میں نے اسے تیری بہو بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بس۔ یہ معاملہ نمٹ جائے۔ اس کے بعد ساری بدمعاشی ختم۔ تیرے بیٹے کے سر پر سہرا سجے گا، تو ساس بنے گی۔ پھر میں تجھے شری جی کے گھر میں نہیں رہنے دوں گا۔ تو یہاں اپنے بیٹے اور بہو کے ساتھ رہے گی۔''

دوسرے کمرے میں چلمن اس کی باتیں سن رہی تھی۔ مسرتوں سے جھوم رہی تھی۔ دوسری طرف ماں جی نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میرا گھرانہ مکمل ہو جائے گا، تو سیدھے راستے پر چل پڑے گا۔ تو میں کیوں کسی کے گھر میں رہوں گی؟ میں تو دوڑی چلی آؤں گی۔ ہائے! یہ سن کر ہی نہال ہو رہی ہوں کہ مجھے بیٹا اور بہو ملنے والے ہیں۔ اب تو بس ایک ہی دعا ہے کہ وہ کم بخت قاتل جلد سے جلد پکڑا جائے اور ماں بیٹے کی دوری ختم ہو

جائے۔"

پھر اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔"شری جی تھانے جانے والی ہیں۔ میں فون بند کرتی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ کر رابطہ ختم کر دیا۔ جے شری اپنے کمرے میں تھی۔ جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ماں جی نے سوچتی ہوئی نظروں سے ادھر دیکھا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے کمرے میں چلی گئی۔

دوسری طرف دادا نواب نے رضیہ بی بی کو بلا کر کہا۔"آج تم منظور چاچا سے ملاقات کے لئے جاؤ گی؟"

رضیہ بی بی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولا۔"تو پھر اسے یہ بھی اچھی طرح سمجھا دینا کہ اس کی بیٹی سوائے دادا نواب کے کسی اور جگہ محفوظ نہیں رہے گی۔ وہ تھانیدار سے کہہ کر اسے دارُالامان پہنچانا چاہتا ہے۔"

چلمن نے وہاں آ کر کہا۔"بابا سے کہہ دینا، میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ یہاں اپنے گھر میں رہ کر ہی ان کی رہائی کا انتظار کرتی رہوں گی اور ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ مجھے دادا نواب پر بھروسہ ہے۔ وہ بھی اس پر اعتماد کریں اور اسے ساری حقیقت بتا دیں۔ اسی میں میرا اور ان کا بھلا ہے۔"

دادا نواب نے کہا۔"اور ایک بات اسے سمجھا دینا کہ یہ قانون والے سب کمینے ہیں۔ انہوں نے قاتل کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری مجھے دی ہے۔ جب وہ ایک قاتل کو میرے ذریعہ تلاش کر رہے ہیں تو ذرا وہ عقل سے سوچے کہ اس کی بیٹی کس کے ہاتھوں میں محفوظ رہے گی؟"

رضیہ بی بی ہاں کے انداز میں سر ہلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ چلمن نے بڑی محبت سے اپنے نواب کو دیکھا۔ اس کی مضبوط پناہ میں آ کر وہ دنیا کی ہر فکر سے آزاد ہو گئی تھی۔

☆======☆======☆

منظور چاچا کن انکھیوں سے ایک طرف بیٹھے ہوئے راہول کو دیکھ رہا تھا۔ رات بھر ان کے درمیان یہ تکرار ہوتی رہی تھی کہ راکیش قتل والی رات کو کتنے بجے گھر آیا تھا؟

راہول کا کہنا تھا کہ اس نے اسے رات بارہ بجے گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا لیکن منظور کہہ رہا تھا کہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے، راکیش اس رات تقریباً ڈھائی بجے گھر آیا تھا۔

دونوں کی بحث کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہ اپنی اپنی جگہ سر جھکا کر بیٹھ گئے تھے۔ انسپکٹر دلیش پانڈے نے آ کر کہا۔"مسٹر راہول! ہم آپ کے بتائے ہوئے ایڈریس پر گئے تھے۔ وہاں جو نیہا نام کی لڑکی رہتی تھی، وہ کل شام سے غائب ہے۔ ہم نے اس کے پڑوسی سے پوچھ گچھ کی تھی، اس نے بتایا ہے کہ وہ تنہا رہتی ہے، اور کوئی شخص اکثر اس سے ملنے آیا کرتا ہے اور وہ ہو نہ ہو، راکیش ہی ہوتا ہوگا۔"

راہول اٹھ کر آہنی سلاخوں کے پاس چلا آیا تھا۔"وہ لڑکی ہمارے لئے بہت اہم تھی۔"

"ہوں۔ اہم تو شراب کی بھٹی بھی ہے لیکن اب تک وہاں کوئی مشکوک بندہ نظر نہیں آیا ہے۔ میں نے چند سپاہیوں کو وہاں الرٹ کر دیا ہے۔ وہ سادہ لباس میں رہ کر اس بھٹی کی اور اس علاقے کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

راہول نے مایوسی سے گردن جھکا لی۔ ایک سپاہی نے آ کر کہا۔"سر! میڈم جے شری اپنے وکیل کے ساتھ آئی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ انہیں میرے روم میں بٹھاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

پھر اس نے پلٹ کر راہول سے کہا۔"ضرور وہ آپ کی ضمانت لے کر آئی ہوں گی۔"

جے شری اپنے وکیل کے اور ماں جی کے ساتھ پانڈے کے روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وکیل اسے کاغذی کارروائی سمجھا رہا تھا۔ ماں جی بڑی بے چینی سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جب سے بیٹے کا فون آیا تھا، تب سے وہ منظور چاچا سے ملنے کے لئے بے چین ہو گئی تھی۔

کچھ دیر بعد ہی انسپکٹر پانڈے وہاں آ گیا تھا۔ وہ تینوں باتیں کر رہے تھے لیکن ماں جی کا سارا دھیان منظور کی طرف تھا۔ ضمانت منظور کر لی گئی تھی۔ کچھ کاغذی خانہ پُری کے بعد راہول ایک سپاہی کے ساتھ وہاں آیا تو ماں جی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے

کہا۔ ''انسپکٹر جی! میں منظور چاچا سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔''

پانڈے نے اپنے ایک ماتحت سے کہا۔ ''انہیں اس بوڑھے قیدی کے پاس لے جاؤ۔''

وہ اس سپاہی کے ساتھ چلتی ہوئی لاک اَپ کے پاس آئی۔ منظور چاچا اسے دیکھ کر آہنی سلاخوں کے پاس آتے ہوئے بولا۔ ''تم؟ یہاں......؟''

''ہاں۔ تم سے ملنے آئی ہوں۔ یہ پوچھنے آئی ہوں کہ تم کیوں ماں بیٹے کے درمیان دیوار بن رہے ہو؟''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں کس کے درمیان دیوار بن رہا ہوں؟''

''تمہارا ایک سچ میرے بیٹے کی پوری زندگی سنوار سکتا ہے۔ وہ میرے سینے سے لگنے کے لئے مارا مارا پھر رہا ہے۔ تم سچ کیوں نہیں بولتے ہو؟ کیوں ایک مجرم کا ساتھ دے رہے ہو؟ میرے بیٹے کا ساتھ دو۔ وہ تمہاری عزت کو اپنی عزت بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری چلمن سے شادی کرنا چاہتا ہے، اور یہ تب ہی ہو سکے گا جب تم اس قاتل کا نام پتا بتاؤ گے۔''

منظور حیرت سے سن رہا تھا۔ پھر بولا۔ ''تم اپنے کس بیٹے کی بات کر رہی ہو؟''

''میں نواب کی بات کر رہی ہوں۔''

منظور طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''اچھا تو دادا نواب تمہارا بیٹا ہے۔ بہت پہنچا ہوا ہے، حوالات میں بھی لوگوں کو دھمکاتا پھرتا ہے لیکن میں اس کی دھمکیوں میں آنے والا نہیں ہوں اور نہ ہی اپنی بیٹی کو اس بدمعاش کے پلے باندھوں گا۔''

وہ بولی۔ ''وہ بدمعاش بن کر نہیں، ایک شریف بندہ بن کر تمہاری بیٹی کو اپنانا چاہتا ہے۔ وہ بدی سے نیکی کی راہ پر چلنا چاہتا ہے۔ تو تم کیوں نیک اور دیندار ہوتے ہوئے بدی کا ساتھ دے رہے ہو؟''

''تم بھی مجھ پر شبہ کر رہی ہو۔ میں کسی کا ساتھ نہیں دے رہا ہوں۔''

''واہ منظور چاچا! واہ۔ نواب کو سو فیصد یقین ہے کہ تم اس قاتل کا ساتھ دے رہے ہو، لیکن پھر بھی وہ پولیس والوں سے یہ بات چھپا رہا ہے۔ تمہارے بڑھاپے کا خیال کرتے ہوئے اپنے طور پر قاتل کا سراغ لگا رہا ہے۔ اگر تھانے والوں کو بھنک بھی پڑ گئی تو

یہ تمہاری وہ کلاس لیں گے کہ تمہارا روم روم اس قاتل کا نام پکارنے لگے گا۔''

منظور چاچا نے ایک ذرا گھبرا کر اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ ''میں جا رہی ہوں۔ اپنے آپ کو ٹٹولو اور سوچو کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط......؟''

وہ پلٹ کر چلی گئی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ہی رضیہ بی بی وہاں پہنچ گئی۔ اسے چلمن اور نواب کا پیغام سنانے لگی۔ اس کی باتوں سے بیٹی کا جھکاؤ معلوم ہو رہا تھا۔

وہ اس کی باتیں سننے کے بعد تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''جب بیٹی ہی اس بدمعاش پر بھروسہ کر رہی ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ ٹھیک ہے، میں اسے دارُالامان بھیجنے کی بات نہیں کروں گا لیکن اس سے زیادہ میں اس بدمعاش پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔''

اب وہ رضیہ بی بی کو یا ماں جی کو کیا بتاتا کہ اس قاتل نے اپنے قاصد کے ذریعے دھمکی دی ہے کہ اگر اس نے زبان کھولی تو وہ مجرم اس کی بیٹی کو بازار میں بٹھا دے گا۔ ایک جھوٹ کی خاطر وہ بڑی الجھنوں میں پھنس گیا تھا۔ بیٹی کا یہ پیغام کسی حد تک تسلی بخش تھا کہ وہ دادا نواب کے ساتھ محفوظ ہے۔

☆======☆======☆

دوسری طرف نائیک دادا نواب پر جھنجھلا رہا تھا۔ وہ اسے بے بس بنا کر انجلی کو لے اڑا تھا۔ بے بسی ایسی تھی کہ وہ غصے سے دانت بھی نہیں پیس سکتا تھا۔ منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ صبح کے دس بج رہے تھے اور وہ اب تک اسی طرح رسیوں سے بندھا برآمدے میں پڑا ہوا تھا۔ گھر کے بیرونی دروازے کی کنڈی کھلی ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ محلے کا کوئی بندہ ہی وہاں آ جائے اور اس کے ہاتھ پاؤں کھول دے۔

ایسے ہی وقت وہ دروازہ دھیرے سے کھلا۔ اس نے سر اٹھا کر ادھر دیکھا۔ کوئی اجنبی شخص محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا اندر داخل ہو رہا تھا۔ شکل سے ٹپوری لگ رہا تھا، شاید چوری کے ارادے سے وہاں آیا تھا۔ نائیک نے اسے پکارنا چاہا تو منہ سے ''اوں۔ اوں'' کی آوازیں نکلنے لگیں۔

اس آنے والے نے سر گھما کر ادھر دیکھا پھر اس کی حالت دیکھ کر چونک گیا۔ اس

کے قریب آتے ہوئے بولا۔ ''ابے تُو کون ہے؟''

نائیک نے دیدے گھما کر اسے منہ پر سے کپڑا کھولنے کا اشارہ کیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ کو آزاد کر دیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لینے لگا پھر بولا۔ ''تُو کون ہے؟ یہاں کیا کرنے آیا ہے؟''

وہ بولا۔ ''مجھے گنگو نے بھیجا ہے۔ نائیک سے ملنا ہے، پر تُو کون ہے؟''

''میں ہی نائیک ہوں۔ چل! یہ رسّیاں کھول......''

وہ اس کے بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں کھولنے لگا۔ نائیک نے آزاد ہونے کے بعد پوچھا۔ ''ہاں۔ اب بتا! کیا خبر لایا ہے؟''

وہ بولا۔ ''گنگو نے اس بوڑھے تک تمہارا پیغام پہنچا دیا ہے۔ وہ ابھی تک تمہارا ساتھ دے رہا ہے۔ اس نے کسی کے سامنے زبان نہیں کھولی ہے۔''

اس نے مطمئن ہو کر کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ کیا اس نے اس بوڑھے کو مزید رقم کا لالچ دیا ہے؟''

''ہاں دیا ہے۔ وہ بوڑھا تو تمہارا ساتھ دے رہا لیکن گنگو نے کہا ہے کہ تمہارے سامنے ایک بہت بڑی مصیبت کھڑی ہو گئی ہے۔''

اس نے ایک ذرا پریشان ہو کر پوچھا۔ ''مصیبت؟ کیسی مصیبت......؟''

وہ بڑے رازدارانہ انداز میں اس کے قریب ہو کر بولا۔ ''گنگو نے اس مصیبت کا نام دادا نواب بتایا ہے۔''

وہ ایکدم سے چونک کر اس سے دور ہو گیا۔ دادا نواب کل سے کسی آسیب کی طرح اس کا سکون برباد کر رہا تھا۔ اب اس معاملے میں بھی اس کا نام سنا تو اس نے جھنجلا کر پوچھا۔ ''یہ دادا نواب کا ذکر کہاں سے آ گیا؟''

وہ بولا۔ ''وہ کسی قاتل کو تلاش کر رہا ہے۔ کل اس کا آدمی پاکٹ مارنے کے الزام میں اس بوڑھے کے پاس پہنچا ہے اور اس نے اسے دھمکی دی ہے کہ اگر وہ ان کا ساتھ نہیں دے گا تو اس کی جوان بیٹی بے موت ماری جائے گی۔''

اس نے حیرت سے اسے دیکھا پھر سوچا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دادا نواب کو کیسے شبہ

ہوا کہ وہ بوڑھا گارڈ قاتل کو جانتا ہے؟ پولیس والے اس گارڈ سے زبردستی یہ راز نہیں اگلوا سکتے پھر وہ کیوں زبردستی کر رہا ہے؟ وہ تو خود بدمعاش ہے، اسے کسی قاتل سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟''

اسے سوچ میں گم دیکھ کر اس شخص نے کہا۔ ''گنگو نے بتایا ہے کہ دادا نواب جیل سے آنے کے بعد اس بڈھے کے گھر میں اس کی جوان بیٹی کے ساتھ رہتا ہے۔''

یہ انکشاف پریشان کن تھا۔ نائیک کو فکر لاحق ہو گئی کہ چوکیدار کی بیٹی بیمار تھی، دوسرے کمرے میں تھی لیکن ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنتی رہی ہو گی۔

پھر اس نے سوچا۔ ''اگر اس نے ہماری باتیں سنی ہیں تو پھر دادا اس بوڑھے کے بجائے سیدھا میری گردن دبوچنے چلا آتا۔ لگتا ہے وہ لڑکی میرے اور اپنے باپ کے درمیان ہونے والے معاملے سے بے خبر ہے، تب ہی تو دادا اس بوڑھے کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ اسے بیٹی کے حوالے سے بلیک میل کر سکتا ہے اور وہ خوفزدہ ہو کر میرا حلیہ اسے بتا سکتا ہے۔''

اس نے ایک ذرا توقف کے بعد سوچا۔ ''اگر وہ لڑکی دادا نواب کے بجائے میرے پاس آ جائے تو وہ اس بوڑھے کو بلیک میل نہیں کر سکے گا۔ اس کی جوان بیٹی میرے قبضے میں رہے گی تو وہ کبھی زبان نہیں کھولے گا، اور میں اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتا رہوں گا۔''

چلمن اس کے لئے ایک اہم مہرہ بن گئی تھی۔ اسے اب اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ اگر وہ منظور کے گرفتار ہوتے ہی اس کی بیٹی کو اپنے قبضے میں لے لیتا تو کسی بات کا اندیشہ نہ رہتا۔ خیر۔ پانی ابھی سر سے اونچا نہیں ہوا تھا۔

اس بات کا بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ دادا نواب انجلی کو بھی اسی گھر میں لے گیا ہو گا۔ فی الحال اسے انجلی سے نہیں چلمن سے دلچسپی تھی۔

نائیک نے اس شخص کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''ویسے تو اپن کا نام ہمالے ہے لیکن دوست یار کہتے ہیں کہ یہ نام بہت لمبا ہے، اس لئے سب اپن کو میٹر کے نام سے بلاتے ہیں۔ کیونکہ ہر کام میں یہ سالا دماغ میٹر کی طرح

گھومتا ہے۔''

نائیک اسے تھام کر اپنے قریب لاتے ہوئے بولا۔ ''میرا ایک کام کرو گے؟''

''استاد! جس کام میں روکڑا ہو، میٹر وہ کام ضرور کرتا ہے۔ تم بولو! کیا کام ہے؟''

''کبھی کسی لڑکی کو اٹھایا ہے؟''

میٹر سر کھجاتے ہوئے بولا۔ ''ابھی تک تو نہیں اٹھایا، پَر اپن بڑے بڑے بدمعاشوں کا بینڈ بجا چکا ہے، اگر پٹی دوپٹی ملے تو یہ لڑکی کیا چیز ہے؟''

نائیک چونک کر اس سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔ ''ابے او! اپنی اوقات میں رہ کر بات کر۔ میں جہاز اٹھانے کی بات نہیں کر رہا ہوں، ایک غریب سی لڑکی کو اغوا کرنا ہے۔''

''چل یار۔ جو دے گا وہ لے لوں گا۔ ویسے بھی استاد گنگو سے تیری ڈیل چل رہی ہے۔ مروت تو کرنی ہی پڑے گی۔''

''میں نے گنگو کو حوالات جانے کے چار ہزار دیئے ہیں۔ تجھے چھ دوں گا۔ بول! منظور ہے؟''

وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ ''کیا بات کرتے ہو استاد! لڑکی اٹھوا رہے ہو، کوئی بلی کا بچہ نہیں۔ دس ہجار سے ایک پیسہ کم نہیں لوں گا۔ بے شک استاد گنگو سے بات کر کے دیکھ لو، وہ بھی یہی کہے گا کہ اپن بالکل جائز روکڑا مانگ رہا ہے۔''

نائیک نے خود کو پھانسی کے پھندے سے بچانا تھا۔ دس ہزار میں بھی سودا مہنگا نہیں تھا۔ وہ بولا۔ ''چل میرے بھائی! جو تیری مرضی۔''

میٹر ایک ہتھیلی پھیلاتے ہوئے بولا۔ ''تو پھر لاؤ ایڈوانس......''

نائیک اندر الماری میں سے ہزار ہزار کے دو نوٹ لا کر اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے بولا۔ ''تم میرے لئے نئے آدمی ہو۔ میں اس سے زیادہ تم پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ باقی پے منٹ لڑکی لانے پر ہوگی۔''

''تم تو استادوں کے بھی استاد لگتے ہو۔''

پھر وہ ذرا توقف سے بولا ''چھوکری کی کوئی فوٹو موٹو بھی ہے کہ وہ بھی اپن کو ہی ڈھونڈنا ہے۔''

''فوٹو کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں تمہیں ایڈریس سمجھا دوں گا، لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ وہاں دو لڑکیاں ہوں گی۔ ان میں سے ایک کو اٹھانا ہے۔''

''کوئی نشانی......؟''

''ان میں سے ایک ہندو ہے اور دوسری مسلمان ہے۔ بس تم مسلمان چھوکری کو اٹھا کر میرے پاس لے آؤ گے۔''

پھر وہ اسے چلمن کے گھر کا پتہ سمجھانے لگا۔

☆======☆======☆

برتن حوالات سے چھوٹ کر سیدھا دادا نواب کے گھر پہنچ گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی بولا۔ ''کیا خبریں ہیں؟''

اس نے کہا۔ ''وہ قاتل جو بھی ہے، بہت ہی سنبھل سنبھل کر چل رہا ہے۔ اب یہی دیکھو کہ میں رہا ہو گیا لیکن اس نے اب تک اپنے اس کارندے کو رہا نہیں کرایا ہے۔ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ باہر آئے گا تو ہم فوراً ہی اس کی گردن دبوچ لیں گے۔''

دادا نے کہا۔ ''تم اسے صورت سے تو اچھی طرح پہچانتے ہو۔''

وہ بولا۔ ''صورت سے کیا ہوتا ہے؟ دہلی بہت بڑا شہر ہے، وہ کسی بھی بل میں جا گھسا تو ہم اسے تلاش ہی کرتے رہ جائیں گے۔''

دادا نے کہا۔ ''پھر تو ہمیں اس پر نظر رکھنی چاہئے۔''

برتن مسکرا کر بولا۔ ''دادا! میں تمہارا شاگرد ہوں۔ ابھی تھانے سے ذرا دور اپنے ایک ساتھی کی ڈیوٹی لگا کر آیا ہوں، اسے اس بندے کا پورا نقشہ سمجھا دیا ہے۔ وہ جیسے ہی تھانے سے باہر آئے گا، میرا ساتھی فوراً ہی اسے ٹریپ کر کے ہمارے پاس پہنچا دے گا۔''

دادا نواب نے خوش ہوا اس کے شانے پر ایک تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ ''شاباش میرے بچے! ایسی ہی عقل مندی سے کام لیتے رہا کرو۔''

انجلی ان تینوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ چلمن چائے لے کر آئی تو دادا نے بڑی محبت سے اسے دیکھا پھر برتن کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں پوچھا۔ ''کیسی ہے؟''

وہ چائے کی پیالیوں کو اور پھر چلمن کو دیکھ کر بولا۔ ''شکل سے تو اچھی لگ رہی

ہے۔چکھنے کے بعد پتہ چلے گا۔''

دادا نے گھورتے ہوئے کہا۔''ابے او! کیا بکواس کر رہا ہے؟''

انجلی اور چمن منہ دبا کر ہنسنے لگیں۔ہنگامہ بھی مسکرا رہا تھا۔برتن نے پریشان ہو کر کہا۔''ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔چائے کا اصل ذائقہ تو چکھنے کے بعد ہی معلوم ہوگا۔''

دادا نواب نے اس کے سر پر ایک چپت لگاتے ہوئے کہا۔''ابے او بونگو! میں چائے کے بارے میں نہیں، اپنی چلمن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔میری اور اس کی جوڑی کیسی لگے گی؟''

وہ چلمن پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولا۔''جیسے ہیرا اور پنا، جیسے چاندی اور سونا، جیسے۔جیسے کاجول اور شاہ رخ۔ایکدم فرسٹ کلاس......سُپر ہٹ......''

چلمن مارے حیا کے وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔دادا نواب بھی اس کے پیچھے پیچھے وہاں چلا آیا۔وہ منہ پھیرے کھڑی تھی۔آہٹ پہچانتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولی۔''تمہیں سب کے سامنے ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟''

نواب اسے دبوچتے ہوئے بولا۔''شرع میں کیسی شرم؟ میں تجھ سے شادی کرنے والا ہوں۔سب کی صلاح لینی چاہئے کہ تیری میری جوڑی کیسی رہے گی؟''

وہ اس کی بے باکی پر گھبرا کر بولی۔''ارے کیا کرتے ہو؟ ان میں سے کوئی بھی یہاں آسکتا ہے، چھوڑو مجھے......''

اس کی آواز جیسے کہیں دب گئی، وہ بولتے بولتے چپ ہوگئی، اور بولتی بھی کیسے؟ وہ دادا، دادا گیری پر اتر آیا تھا۔اس کے پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر ایسی چھاپ لگا رہا تھا کہ سانس لینا دشوار ہوگیا تھا۔کچھ دیر بعد وہ اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہوئے بولی۔''تجھ سے تنہائی میں ملنا، اپنی شامت کو دعوت دینا ہے۔''

نواب انگلی کی پور سے اس کے لبوں کو چھوتے ہوئے بولا۔''تُو تنہائی میں بولا نہ کر، یہ سالا دل بے ایمان ہوجاتا ہے۔تیری آواز اور یہ شمع کی لو کی طرح تھرتھراتے ہوئے ہونٹ مجھے بے اختیار اپنی طرف کھینچنے لگتے ہیں، اور میں کسی پتنگے کی طرح اپنے پَر جلانے کے لئے ان پر ٹوٹ پڑتا ہوں۔''

چلمن مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔پھر اپنے ہونٹوں کو ایک ہتھیلی سے چھپا کر بولی۔''وہ لوگ کیا سوچتے ہوں گے؟ تم وہاں جا کر بیٹھو۔میں آتی ہوں۔''

نواب اس کے انداز پر ہنستے ہوئے بولا۔''تُو بھی پاگل ہے۔یہ نہیں جانتی کہ حسن چھپ کر مزید پُرکشش ہوجاتا ہے، اپنے چاہنے والے کے لئے چیلنج بن جاتا ہے۔''

یہ کہتے ہی اس نے ایک اور حملہ کیا۔پھر اسے غصے سے تلملاتا ہوا چھوڑ کر پہلے کمرے میں آگیا۔انجلی ازدواجی زندگی گزار چکی تھی۔دو محبت کرنے والے تنہائی میں کیسے رنگین اور سنگین لمحات گزارتے ہیں، وہ اچھی طرح جانتی تھی۔جب وہ دونوں دوسرے کمرے میں تھے تو اس کے اندر نہ جانے کیسی بے چینی ہو رہی تھی؟ وہ برتن اور ہنگامہ سے باتیں کر رہی تھی، لیکن کہیں کوئی کسک سی تھی جسے وہ محسوس کرتے ہوئے بھی نظرانداز کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

نائیک جیسا بھی تھا، اس کا پتی رہ چکا تھا۔وہ اس کے ساتھ ازدواجی لمحات گزار چکی تھی۔وہ پہلا مرد تھا جو اس کی تنہائیوں کا ہمسفر بنا تھا اور عورت اپنے قریب آنے والے پہلے مرد کو کبھی نہیں بھلا پاتی۔اس کے ایک ایک لمس کا احساس زندگی کے کسی بھی لمحے میں تڑپاتا رہتا ہے اور وہ بیری پیا لاکھ نفرت کے باوجود اس کے حواسوں پر چھانے لگتا ہے۔

ان لمحات میں یہی ہو رہا تھا۔وہ دو پریمی اندر تھے، دیوار کے اس پار نظروں سے اوجھل تھے، لیکن انجلی تصور کی آنکھ سے دیکھ رہی تھی، سمجھ رہی تھی کہ ایک شہ زور اور ایک کمزور کی محبت بھری جنگ کہاں سے شروع ہو کر کہاں تک اور کس انداز میں ختم ہوتی ہے؟ ایسے میں اسے اپنا منہ زور پتی یاد آ رہا تھا۔اس کی زورازوری یاد آ رہی تھی۔جی چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی آندھی طوفان کی طرح آئے اور اسے بکھیر کر چلا جائے۔

دادا نواب کمرے سے باہر آیا تو وہ جیسے چونک گئی۔وہ فوراً ہی سنبھلتے ہوئے بولی۔''آپ لوگ کھانا یہاں کھائیں گے یا......''

دادا نواب اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔''ہم ابھی باہر جا رہے ہیں۔واپسی کا کچھ پتا نہیں ہے، دیر بھی ہوسکتی ہے۔ہم ہوٹل سے کھالیں گے۔''

پھر وہ برتن اور ہنگامہ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

☆======☆======☆

برتن کا ایک ساتھی تھانے سے ذرا دور تھا، مین روڈ کی طرف جانے والی ایک گلی کے نکڑ پر کھڑا ہوا تھا۔ اسے اس موالی گنگو کی رہائی کا انتظار تھا جو اصلی قاتل تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتا تھا۔ کافی انتظار کے بعد وہ تھانے کے احاطے سے باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ سگریٹ کے کش لگاتا ہوا اس گلی کی طرف ہی آ رہا تھا۔ برتن کا ساتھی الرٹ ہو کر اس کے قریب پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔

گنگو بڑی مستی میں جھومتا، گنگناتا اس کے قریب سے گزرنے لگا تو وہ اس کی پشت سے ریوالور کی نال لگاتے ہوئے بولا ”خبردار! کوئی آواز نہ نکالنا۔“

وہ بولا ”یہ کھوب رہی۔ ابھی سرکاری جلادوں سے نجات ملی ہے اور اب تم یہ پستول تان کر کھڑے ہو گئے؟ کون ہو بھائی؟ کیا نئے ہو؟ کیا پارٹی کو سمجھ کر واردات نہیں کرتے؟ اپن کی پاکٹ میں کچھ نہیں ہے اور جو تھا وہ سرکاری لٹیروں نے لوٹ لیا ہے۔“

”زیادہ مت بولو۔ چپ چاپ سامنے کھڑی ہوئی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“

”کیوں بھائی؟ کیوں بیٹھ جاؤں؟ اپن کو چھڑانے کے لئے کوئی تاوان دینے والا اس دنیا میں نہیں ہے۔ جاؤ کسی جگاس پارٹی پر ہاتھ ڈالو۔“

وہ پستول کی نال پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولا ”مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو! گاڑی میں بیٹھو۔“

وہ اسے گن پوائنٹ پر گاڑی میں لے آیا۔ وہاں ڈرائیونگ سیٹ پر ایک اور ساتھی بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے ساتھی نے اس سے کہا ”ہنگامہ کو فون لگاؤ۔“

وہ ڈیش بورڈ سے موبائل فون اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ پھر اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا ”ہاں استاد! بندہ قابو میں آ گیا ہے۔ برتن نے کہا تھا کہ اس کے بعد تمہیں اطلاع دی جائے۔ اب بولو! کیا کرنا ہے؟“

ہنگامہ، دادا نواب اور برتن کے ساتھ تھا۔ اس نے فون پر کہا ”اسے لے کر یہاں رگھو کے شراب خانے میں پہنچ جاؤ۔ ہم دادا نواب کے ساتھ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“

پھر اس نے رابطہ ختم کرتے ہوئے دادا نواب سے کہا۔ ”وہ بندہ تھانے سے باہر آ گیا ہے۔“

”ہوں۔ یعنی قاتل تک پہنچنے کا ایک اہم مہرہ ہاتھ آ رہا ہے۔“

کچھ دیر بعد ہی وہ دونوں ساتھی گنگو موالی کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔ وہ دادا نواب کو اس کے کام اور نام سے ہی نہیں صورت سے بھی پہچانتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی پریشان ہو گیا، فوراً ہی یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اسے وہاں کیوں لایا گیا ہے؟ دادا اسے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے برتن سے بولا ”جاؤ اس کے لئے ٹھرّے کی آٹھ بوتلیں لے آؤ۔“

اس نے پریشان ہو کر ایک ایک کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اپ۔ اپن اتنی شراب نہیں پی سکتا۔“

دادا نواب اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا ”دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر کر سکتا ہے تو تُو سب کچھ کر سکتا ہے۔“

وہ فوراً ہی ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”نہیں دادا! اپن نے تم سے کوئی دشمنی نہیں کی ہے۔ اپن تو کسی کیڑے کے مافق ایک گلی چھاپ موالی ہے۔ تم جیسے ڈائنوسار سے دشمنی کر کے کیا موت کو دعوت دے گا؟“

برتن اس کے لئے بوتلیں لے آیا تھا۔ دادا نواب نے ایک بوتل کھول کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”اسے اٹھا اور ایک ہی سانس میں پیتا چلا جا۔“

وہ گھبرا کر بولا۔ ”یہ کیا کہہ رہے ہو دادا؟“

ہنگامہ نے ریوالور کی نال اس کی کن پٹی سے لگا دی۔ اس نے پریشان ہو کر انہیں دیکھا پھر دادا نواب سے پوچھا۔ ”تم اپن سے کیا چاہتے ہو؟“

پہلا ہی حربہ کامیاب رہا۔ دادا نواب مار پیٹ نہیں چاہتا تھا۔ بڑی سہولت سے پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”ہم تجھ سے کچھ زیادہ نہیں چاہتے۔ ہمیں صرف اس قاتل کا پتہ ٹھکانہ بتا دے، جس کا قاصد بن کر تُو حوالات گیا تھا۔“

گنگو یہ نہیں جانتا تھا کہ نائیک نے قتل کیا ہے اور نائیک نے بھی اس پر یہ راز نہیں کھولا تھا۔ اسے تو بس اتنا پتہ تھا کہ وہ اس کے ذریعہ اس بوڑھے کو زبان بند رکھنے کا پیغام

پہنچا رہا ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ منظور کے اور نائیک کے درمیان کیا معاملہ چل رہا ہے؟

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ''قاتل؟ اپن کسی قاتل کو نہیں جانتا۔ اپن کو تو اس ٹیکسی ڈرائیور نے اس بڈھے کے پاس بھیجا تھا۔''

ہنگامہ نے ریوالور کی نال اس کے سینے میں گھونپتے ہوئے کہا۔ ''ٹوپیاں نہ گھما! کسی ڈرائیور کا ذکر کر کے ہمیں بھٹکانا چاہتا ہے؟''

وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ''اپن کیوں تم کو بھٹکائے گا؟ جس سے روکڑہ لیا ہے، اسی کا کام کیا ہے، اور تم کو اسی کا نام بتا رہا ہے۔ اب اپن یہ نہیں جانتا کہ وہ قاتل ہے۔ اپن نے تو اس ہاتھ پیسہ لیا اور اس ہاتھ اس کا پیغام اس بوڑھے کو پہنچا دیا۔''

''ٹیکسی ڈرائیور کا پورا نام اور پتہ ٹھکانہ بتا، اور اپنی کھوپڑی میں یہ بات ٹھونس لے کہ جب تک تصدیق نہیں ہو جائے گی، ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''اپن صرف بتائے گا ہی نہیں، تم کو اس کے گھر تک بھی لے جائے گا۔ اس کا نام اجے پٹ نائیک ہے۔ وہ چاندنی چوک سے دو اسٹاپ آگے رہتا ہے۔ ٹیکسی چلاتا ہے۔''

دادا نے چونک کر ہنگامہ کو دیکھا۔ بچہ بغل میں اور ڈھنڈورا شہر میں...... دادا نواب نے کہا۔ ''اچھا۔ اب سمجھ میں آیا کہ اس سالے ڈرائیور کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟''

وہ سب گنگوکر کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر نائیک کے مکان کی طرف جانے لگے۔

دوسری طرف میٹرا اپنے ایک حواری کے ساتھ گھات لگائے بیٹھا تھا۔ وہ دادا نواب کے محلے میں پہنچ گیا تھا۔ اس اطمینان کے بعد کہ وہاں نہ دادا نواب ہے اور نہ ہی اس کا کوئی حواری ہے۔ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ چلمن کے دروازے پر آیا پھر دستک دیتے ہوئے بولا۔ ''ہمیں دادا نواب نے بھیجا ہے۔ دروازہ کھولیں۔''

چلمن نے اپنے محبوب کا نام سنتے ہی دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں فوراً ہی اسے دھکا دے کر دندناتے ہوئے اندر چلے آئے۔ وہ اس افتاد کے لئے تیار نہ تھی۔ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے گئی اور فرش پر گر پڑی۔ میٹر نے اسے پستول دکھاتے ہوئے کہا۔ ''خبردار! کوئی آواز نہ نکالنا۔ نہیں تو بھون کر رکھ دوں گا۔''

وہ ایکدم سے سہم گئی۔ انجلی کچن میں تھی۔ شور سن کر دوڑتی ہوئی آئی تو وہاں کی صورت حال دیکھ کر گھبرا کر بولی۔ ''ہے رام....!''

دوسرے ساتھی نے فوراً ہی اسے بھی اپنے نشانے پر لیتے ہوئے کہا۔ ''زندگی چاہتی ہو تو خاموشی سے اندر کمرے میں چلو۔''

وہ انہیں گن پوائنٹ پر رکھ کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔ یہ پہچاننا مشکل نہیں رہا تھا کہ ان دو لڑکیوں میں سے کون مسلمان ہے اور کون ہندو.... وہ انجلی کے منہ سے رام کا نام سن چکے تھے۔

انجلی نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''کک۔ کون ہو تم لوگ؟ ہم سے کیا چاہتے ہو؟''

میٹرا اپنے ہونٹوں پر ایک انگلی رکھتے ہوئے بولا۔ ''خاموشی......''

پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے فوراً ہی ایک رومال نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ میٹرا اس رومال کو لے کر چلمن کی طرف بڑھا۔ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''مجھ سے دور رہو۔ انگلی بھی لگاؤ گے تو دادا نواب تمہارے ہاتھ پاؤں توڑ ڈالے گا۔''

انجلی اس کے آگے ڈھال بنتے ہوئے بولی۔ ''اسے کوئی نقصان پہنچایا تو تمہاری خیر نہیں ہوگی۔''

وہ اسے دھکا دے کر ایک طرف ہٹاتے ہوئے بولا۔ ''چپ چاپ ایک طرف بیٹھ جا۔ اپن کا میٹر گھوم گیا تو بہت برا ہوگا۔''

اس کے ساتھی نے پستول کی نال کو انجلی کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''بہت جی دار بنتی ہے۔ گرم گرم گولی جب بھیجے میں اترے گی تو ساری گرمی نکل جائے گی۔ چل کرسی پر بیٹھ۔''

وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔ دوسری طرف میٹر چلمن کو قابو کر رہا تھا۔ انہیں ان دونوں میں سے کسی کو بھی شوٹ کرنے کا آرڈر نہیں ملا تھا۔ وہ انہیں صرف دھمکا رہے تھے۔ چلمن نے اپنے بچاؤ کے لئے ایک دوا کی بوتل اٹھا کر میٹر کے منہ پر دے ماری۔ وہ

ترپ کر بولا۔ ''سالی کتیا!''

یہ کہتے ہی اس نے ایک جست لگائی اور اس کی گردن دبوچ لی۔ اس سے پہلے کہ وہ چیختی چلاتی، اس نے فوراً ہی کلوروفام لگا ہوا رومال اس کے منہ پر رکھ دیا۔ انجلی دیدے پھیلائے اسے بے ہوش ہوتے اور پھر اس اجنبی دشمن کے بازوؤں میں جھولتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ چیخ کر بولی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

مسٹر نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''اس سالی کو بھی خاموش کر کے جانا ہوگا، نہیں تو یہ شور مچا کر پورے محلے کو جمع کر لے گی۔''

یہ کہہ کر اس نے وہ رومال اپنے ساتھی کو دے دیا۔ وہ اسے انجلی کے ناک پر رکھنے لئے جھکا تو اس نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ تلملا کر بولا۔ ''دادا نے تو اپنے گھر میں شیرنیاں پالی ہوئی ہیں۔ ابھی ٹھہر جا! تجھے شیرنی سے چوہیا بناتا ہوں۔''

وہ اٹھ کر بھاگنا چاہتی تھی۔ اس ساتھی نے لپک کر اس کی ساڑھی کے آنچل کو تھام لیا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے ایک جھٹکے سے رک گئی پھر توازن قائم نہ رکھتے ہوئے زمین پر آگری۔

ایسے ہی وقت وہ ساتھی اس کی پشت پر سوار ہو گیا، اس کے بازوؤں جکڑ کر اسے بے بس بنا دیا۔ پھر فوراً ہی اس رومال کو اس کے منہ سے لگا دیا۔ وہ ایک ذرا کسمسائی پھر ہوش سے بیگانہ ہوتی چلی گئی۔ دماغ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆======☆======☆

دوسری طرف دادا نواب، ہنگامہ، برتن اور گنگو نائیک کی گردن ناپنے اس کے گھر پہنچے تو وہاں تالا پڑا ہوا تھا۔ ہنگامہ نے پڑوسیوں سے معلوم کیا تو سب نے یہی کہا کہ وہ رات گئے گھر آتا ہے اور کبھی تو دو دو دن غائب رہتا ہے۔

ہنگامہ نے کہا۔ ''لگتا ہے، اسے خبر ہو گئی ہو کہ ہمیں اس کی حقیقت معلوم ہو گئی ہے۔ وہ کہیں روپوش ہو گیا ہو؟''

دادا نواب نے آہنی گیٹ پر ایک کک مارتے ہوئے کہا۔ ''سالا بھاگ کر کہاں جائے گا؟''

پھر اس نے اچانک ہی پلٹ کر برتن اور گنگو سے کہا۔ ''دیوار کود کر اندر جاؤ۔ مکان کے ایک ایک حصے کو کھنگال ڈالو۔ کہیں کوئی نہ کوئی کام کی چیز ضرور ملے گی۔''

وہ دونوں فوراً ہی حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ ہنگامہ نے کہا۔ ''اگر وہ چوکنا ہو کر فرار ہوا ہے تو پھر اس نے یہاں کوئی ایسا ثبوت نہیں چھوڑا ہوگا، جس کے ذریعہ وہ قاتل ثابت ہو سکے۔''

وہ تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''تو ٹھیک کہتا ہے۔ وہ سالا بہت تیز ہے۔ اپنے سارے نشان مٹا کر گیا ہوگا۔ اس نے وہ قتل بھی بڑی ہوشیاری سے کیا ہے، پولیس اب تک ایک بھی ثبوت حاصل نہیں کر پائی ہے۔''

''پردادا! ایسا شاطر بندہ پہلے کبھی ہماری نظروں میں کیوں نہیں آیا؟ اچانک ہی کسی چھپے رُستم کی طرح دریافت ہوا ہے۔''

وہ حقارت سے بولا۔ ''کچھ برساتی مینڈک اسی طرح باہر آتے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد ہی وہ دونوں مکان کی دیواروں سے جست لگا کر باہر آ گئے۔ برتن نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''اندر کوئی غیر معمولی چیز تو کیا کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے۔''

''وہ سالا میدان صاف کر کے گیا ہے۔''

گنگو نے ہاتھ جوڑتے ہوئے پوچھا۔ ''دادا! اب میں جاؤں؟''

''نہیں۔ جب تک وہ ڈرائیور ہاتھ نہیں آ جاتا تب تک تُو ہمارے ساتھ رہے گا۔''

پھر اس نے برتن سے کہا۔ ''اسے اڈے میں پہنچا دو اور چھوکروں سے کہہ دینا اس کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کرتے رہیں۔''

دادا نواب کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ ''ہاں۔ کون بول رہا ہے؟''

دوسری طرف سے انسپکٹر دلیش پانڈے کی آواز سنائی دی۔ ''میں بول رہا ہوں۔ تم کہاں ہو؟ کیا کرتے پھر رہے ہو؟''

وہ بولا۔ ''بس جی! ماں جی نے جو ڈیوٹی لگائی ہے، اسی کے سلسلے میں بھٹک رہا ہوں۔ آپ سنائیں کیس کہاں تک پہنچا؟''

''ہاں میں نے اسی لئے فون کیا ہے۔ کچھ ضروری انفارمیشن ملی ہے۔ میرے سپاہی راہول نارائن کے بیان پر چاندنی چوک میں ایک شراب کی بھٹی کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔ اس دوران میں یہ اہم انفارمیشن ملی ہے کہ وہاں کا ایک ٹیکسی ڈرائیور اجے پٹ نائیک اچانک ہی دولتمند ہوگیا ہے۔ سنا ہے، ایک رات میں ہزاروں کی بازیاں لگاتا ہے اور امپورٹڈ شراب پیتا ہے۔''

''آپ نے صحیح سنا ہے۔ میں بھی اس کے بارے میں بہت کچھ سن رہا ہوں۔''

''وہ اسی علاقے کا رہنے والا ہے، جہاں راہول نے کسی شخص کو راکیش سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ میں اس اجے پٹ نائیک کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کررہا ہوں۔ ہوسکتا ہے، وہ معمولی ٹیکسی ڈرائیور ہمارے لئے اہم مہرہ بن جائے۔ میرے سپاہی اس کے گھر پر گئے تھے لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔''

دادا نواب اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ بھی اجے پٹ نائیک پر یقین کی حد تک شبہہ کررہا ہے۔ بلکہ اسے پکڑنے کے لئے اس وقت اس کے مکان کے سامنے کھڑا ہے۔ وہ بولا۔''آپ اپنے طور پر معلومات حاصل کرتے رہیں۔ عین ممکن ہے، آپ کا شبہہ درست ہو۔''

''ٹھیک ہے۔ دوبارہ جب ضروری سمجھوں گا، تمہیں فون کروں گا۔ ویسے تم بھی اس ٹیکسی ڈرائیور پر نظر رکھو۔''

رابطہ ختم ہوگیا۔ دادا نواب نے موبائل فون کو جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔''انسپکٹر کا فون تھا۔ اسے نائیک پر شبہہ ہے لیکن ہمیں یقین ہے۔ وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کررہا ہے۔''

وہ چاروں جیپ میں آکر بیٹھ گئے۔ ہنگامہ اسے اسٹارٹ کرکے آگے بڑھانے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ جیپ ایک پسماندہ سے علاقے میں پہنچ کر رک گئی۔ برتن گنگو کے ساتھ وہاں اتر گیا۔ ہنگامہ نے گاڑی کو پھر اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔''اب کیا ارادہ ہے؟''

وہ سوچ میں گم تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔''انجلی اس کی پتنی ہے۔ عین ممکن ہے،

وہ اس کی کسی خفیہ پناہ گاہ کے بارے میں جانتی ہو؟''

''یعنی گاڑی کو گھر کے راستے پر ڈال دوں؟''

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ ہنگامہ جیپ کو لال قلعے کی طرف جانے والی سڑک پر لے آیا۔

☆======☆======☆

نائیک اس وقت جوئے کے اڈے پر تھا۔ میٹر نے وہاں آکر کہا۔''استاد! تمہاری وہ چھمیا باہر گاڑی میں پڑی ہے۔ اسے سنبھالو اور اپن کا بقیہ مال نکالو۔''

وہ فوراً ہی اٹھ کر باہر آیا۔ چلمن ایک رینٹڈ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سر پر دادا نواب کا خوف سوار تھا۔ وہ فوراً ہی اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا۔ میٹر کو اس کی بقیہ رقم دے کر وہ اسٹیرنگ سیٹ پر آگیا۔ پھر گاڑی کو بڑی تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

انجلی اب تک بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ ہنگامہ نے جیپ کو گھر کے سامنے روک دیا۔ دادا نواب ایک جمپ لگا کر نیچے آیا تو گھر کا بیرونی دروازہ کسی مجنوں کے چاک گریباں کی طرح کھلا ہوا تھا۔ ان دونوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر دادا نے آواز دی۔''چلمن..!''

پھر دوسری بار، پھر تیسری بار آواز دی۔ ہنگامہ نے کہا۔''دادا! کچھ گڑبڑ ہے۔''

وہ فوراً ہی اپنا اپنا ریوالور نکال کر بڑے محتاط انداز میں دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

ہنگامہ نے داخل ہونے سے پہلے ایک پتھر اٹھا کر گھر کے اندر پھینکا پھر وہ دونوں ایسے چوکنا ہوکر دیوار کی آڑ میں ہوگئے، جیسے اندر چھپے ہوئے دشمن تڑاتڑ فائرنگ شروع کر دیں گے۔ وہ کچھ دیر تک انتظار کرتے رہے لیکن اندر بڑی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اگر وہاں کوئی دشمن نہیں تھا تو پتھر کی آواز سن کر انجلی یا چلمن کسی کو تو دروازے پر آنا چاہئے تھا۔

تشویش بڑھ گئی تھی۔ وہ دونوں دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اندر آئے پھر

پستول سیدھی کر کے چاروں طرف تیزی سے گھوم گھوم کر دیکھنے لگے۔ ایسے ہی وقت دادا نواب کی نظر فرش پر پڑی۔ وہاں سرخ چوڑیوں کے ٹکڑے اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے۔ دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اس نے تیز نظروں سے دوسرے کمرے کی طرف دیکھا۔ پھر پستول سیدھی کر کے آگے بڑھنے لگا۔ ہنگامہ کو بھی خطرے کی بو محسوس ہوگئی تھی۔ وہ الرٹ ہو کر اس کے پیچھے الٹے قدموں چل رہا تھا۔

دادا نواب دروازے پر پہنچتے ہی ایکدم سے ٹھٹک گیا۔ انجلی اوندھے منہ فرش پر ساکت پڑی ہوئی تھی۔ اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہی تیزی سے نظریں دوڑائیں۔ جھک کر چارپائی کے نیچے دیکھا۔ آنے والے آ کر جا چکے تھے۔ وہ تسلی کرنے کے بعد انجلی کے قریب فرش پر آ کر بیٹھ گیا۔ ایک کلائی تھام کر نبض ٹٹولنے لگا۔ اسے اندیشہ تھا کہیں وہ ابدی نیند نہ سو گئی ہو۔

لیکن نبض چھوتے ہی یہ اطمینان ہوا کہ وہ زندہ ہے اور وقتی طور پر بے ہوش ہوگئی ہے۔ ہنگامہ کمرے سے نکل کر گھر کے دوسرے حصے دیکھ رہا تھا۔ پھر واپس آ کر بولا۔ ''چلمن کہیں نہیں ہے؟''

چوڑیوں کے ٹکڑے پہلے ہی خطرے کی گھنٹی بجا چکے تھے۔ اب پورا گھر دیکھنے کے بعد تصدیق ہوگئی تھی کہ وہ آنے والے اس کی چلمن کو لے گئے ہیں۔ وہ غصے سے کھول رہا تھا۔ ایک گلاس میں پانی لے کر انجلی کے منہ پر چھینٹے مارنے لگا۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ دیدے پھیلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، بری طرح سہمی ہوئی تھی۔

پھر ان دونوں کو دیکھ کر اسے ذرا حوصلہ ملا۔ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''وہ۔ چل۔ چلمن کہاں ہے؟''

دادا نے پریشان ہو کر ہنگامہ کو دیکھا پھر انجلی سے کہا۔ ''یہ تو ہم تم سے پوچھنے والے تھے۔ چلمن کہاں ہے؟ یہاں کون آیا تھا؟''

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیا؟ چلمن گھر میں نہیں ہے؟ اس کا مطلب وہ۔ وہ اسے اٹھا کر لے گئے ہیں؟''

دادا نواب نے دانت پیستے ہوئے پوچھا۔ ''کون اسے اٹھا کر لے گئے ہیں؟''

ہنگامہ نے اسے ایک گلاس میں پانی دیا۔ وہ پینے کے بعد بولی۔ ''وہ دو تھے۔ انہوں نے پہلے چلمن کو بے ہوش کیا اور پھر مجھے بھی رومال سونگھا کر بے ہوش کر دیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ خبر نہ رہی کہ یہاں کیا ہوتا رہا؟''

ہنگامہ نے کہا۔ ''یہ ضرور نائیک کی کارستانی ہے۔''

انجلی نے چونک کر پوچھا۔ ''نائیک؟ وہ ایسی واردات نہیں کرسکتا۔''

دادا نے حقارت سے کہا۔ ''جو قتل جیسی خطرناک واردات کرسکتا ہے وہ کیا کچھ نہیں کرسکتا؟''

انجلی نے حیرت سے اچھل کر پوچھا۔ ''قتل......؟ اس نے کسے قتل کیا ہے؟''

''میری ماں جی جس کوٹھی میں کام کرتی ہے، نائیک نے اس کے مالک کو قتل کیا ہے اور اسی کی وجہ سے چلمن کا بابا حوالات میں پہنچا ہوا ہے۔''

انجلی شدید حیرت سے اس کا منہ تک رہی تھی۔ نائیک لاکھ بُرا سہی لیکن یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی تھی کہ وہ قتل جیسی سنگین واردات کا مرتکب بھی ہوسکتا ہے۔ دادا نواب اسے تمام تفصیلات بتا رہا تھا کہ اس نے کیسے چلمن کے باپ کو ٹریپ کیا ہوا ہے اور اپنے ایک بندے کے ذریعے حوالات میں اسے بلیک میل کر رہا ہے۔ پولیس کی نظروں میں بھی مشکوک ہوگیا ہے۔ اس خوف کے باعث کہ دادا نواب کو اس کی اصلیت معلوم ہوگئی ہے، وہ منہ چھپاتا پھر رہا ہے۔

لیکن چلمن کو اغوا کر کے اس نے بڑے جگرے کا کام کیا تھا۔ شیر کے منہ سے نوالہ چھین لیا تھا، اور اب یہ بات یقینی تھی کہ اگر وہ کبھی بھولے سے بھی دادا کی نظروں میں آ گیا تو وہ اسے چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔

دادا نواب کو کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھ رہا تھا۔ کبھی دیوار پر گھونسے مار رہا تھا، کبھی کسی چیز کو ٹھوکروں میں اڑا رہا تھا۔ پھر اس نے کچھ سوچ کر انجلی سے پوچھا۔ ''تم ان آنے والوں کو صورت سے تو پہچانتی ہوگی؟''

''ہاں۔ انہوں نے نقاب نہیں لگائے ہوئے تھے۔ وہ میرے سامنے آئیں گے تو میں انہیں دیکھتے ہی پہچان لوں گی۔''

دادا نے پلٹ کر ہنگامہ سے کہا۔ ''یہ ہمارے لئے پلس پوائنٹ ہے۔تم چاندنی چوک کے چھوٹے بڑے سارے موالیوں کو گھیر کر یہاں لے آؤ۔''

نواب کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔اس نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔وہ کوئی نیا نمبر تھا۔اس نے فون کو آن کر کے کان سے لگایا پھر پوچھا۔''کون ہے؟''

دوسری طرف سے جواباً قہقہہ سنائی دیا۔دادا نے غرا کر پوچھا۔''کون ہے؟''

نائیک کی آواز سنائی دی۔''تیرا باپ......''

نواب کسی حد تک سمجھ گیا تھا کہ نائیک اسے مخاطب کر رہا ہے۔اس نے حقارت سے کہا۔''میرا باپ تو اوپر پہنچ چکا ہے۔اگر باپ بن رہا ہے تو تو بھی اوپر جائے گا۔''

''ابے! تو مجھے کیا اوپر بھیجے گا؟ ابھی تو تیرا بھیجا کسی ہنڈیا کے مافق پک رہا ہوگا؟ اسے کہتے ہیں ہاتھ کی صفائی......''

دادا نواب زخمی شیر کی طرح دھاڑ کر بولا۔''پیٹھ میں چھرا گھونپ کر کیا ڈینگیں مار رہا ہے، مرد ہے تو سامنے آ......''

نائیک ایک ذرا لاپرواہی سے بولا۔''میں کسی کے چیلنج میں نہیں آتا۔فون تو صرف یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ تو میری استعمال شدہ پتی کو اٹھا کر لے گیا تھا لیکن دیکھ! میں نے کیسا فریش پیس اڑایا ہے؟''

نواب غرا کر بولا۔''میں نے تیری پتی کو اٹھایا نہیں ہے، یہ اپنی مرضی سے یہاں آئی ہے۔مجھ سے دشمنی کر کے کیوں وقت سے پہلے مرنا چاہتا ہے؟ زندگی چاہتا ہے تو اس لڑکی کو صحیح سلامت واپس پہنچا دے۔''

نائیک قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔''ڈینگیں تو تم مار رہے ہو دادا! بازی میرے ہاتھ میں ہے اور تم مجھے ہی چیلنج کر رہے ہو۔ہوش کے ناخن لو۔اس لڑکی کو بھول جاؤ۔یہ میرا معاملہ ہے۔تم ٹانگ نہ اڑاؤ۔میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

''دشمنی تو اب شروع ہوئی ہے۔مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تو ہی راکیش کا قاتل ہے۔میں تجھے قانون کے حوالے بھی کروں گا اور اپنی چلمن کو تجھ سے چھین کر لے آؤں گا۔''

''یہ سپنے تمہاری جاگتی آنکھوں تک ہی رہیں گے، کبھی پورے نہیں ہوں گے۔تم کسی ثبوت کے بغیر مجھے قاتل کیوں کہہ رہے ہو؟ جاؤ بیٹا! جاؤ۔پہلے کوئی ثبوت لاؤ پھر مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی بات کرو۔''

''قاتل ہمیشہ کوئی نہ کوئی غلطی کرتا ہے اور اس غلطی کے نتیجے میں ہی پکڑا جاتا ہے۔ثبوت بھی مل جائے گا، لیکن تمہاری دشمنی مجھ سے ہے یا انجلی سے ہے۔اس لڑکی کو یہاں پہنچا دو۔ورنہ بہت برا ہوگا۔''

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔''اس سے برا کیا ہوگا کہ تمہاری بلبل میرے قبضے میں ہے۔ہمت ہے تو مجھے ڈھونڈو اور اسے اڑا کر لے جاؤ۔''

یہ کہتے ہی نائیک نے رابطہ ختم کر دیا۔دادا نواب نے اس سے دوبارہ رابطہ کرنا چاہا تو پتہ چلا اس نے اپنا فون ہی آف کر دیا ہے۔اس نے جھنجھلا کر دیوار پر ایک گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔''میں تجھے پاتال سے بھی نکال لاؤں گا کمینے!''

پھر وہ ہنگامہ کے ساتھ تیزی سے چلتا ہوا گھر سے باہر چلا گیا۔

☆======☆======☆

چلمن نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔وہ سرکنڈوں اور گھاس پھوس سے بنی ہوئی چھت کے نیچے تھی۔وہ کچھ دیر تک یونہی پڑی رہی، یاد کرتی رہی کہ اس وقت کہاں ہے؟ پھر دھیرے دھیرے اسے سب کچھ یاد آ گیا وہ ایکدم سے گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔دوپٹہ سنبھالتی ہوئی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔دور تک گھاس پھوس کا فرش دکھائی دے رہا تھا۔ایک ناقابلِ برداشت سی بو دماغ کو ماؤف کر رہی تھی۔اس نے ناک پر ہاتھ رکھ کر سامنے دیکھا۔

نائیک دروازہ کھول کر اندر آ رہا تھا۔چلمن نے ناک سکیڑتے ہوئے پوچھا۔''تم کون ہو؟ یہ کون سی جگہ ہے؟ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟''

''میں تمہارا مسیحا ہوں۔تمہیں علاج کے لئے پیسے نہ ملتے تو تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتیں۔تمہارے بابا نے تمہیں میری ذمہ داری بنا دیا ہے، جب تک تمہاری شادی نہیں ہو جائے گی، تب تک تم میرے ساتھ رہو گی۔''

وہ بولی۔ ”اچھا۔ تو تم ہی وہ قاتل ہو جس نے بابا کو پچیس ہزار دے کر انہیں حوالات میں پہنچا دیا ہے؟“

”اری! صرف پچیس ہزار نہیں۔ میں نے تیری شادی کا خرچہ اٹھانے کا بھی وعدہ کیا ہے لیکن وہ دادا نہیں چاہتا کہ تم لوگوں کے حالات اچھے ہو جائیں اور تُو بیاہ کر اپنے گھر چلی جائے۔“

پھر وہ ذرا سرگوشی میں بولا۔ ”تُو نادان ہے، سمجھتی نہیں ہے۔ وہ دادا تجھے اپنی رکھیل بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔“

وہ چیخ کر بولی۔ ”بکواس نہ کر۔ کون کیا ہے، میں خوب سمجھتی ہوں۔ تُو نے بڑے بڑے سپنے دکھا کر میرے بابا کو خرید لیا۔ وہ میری خوشیوں کی خاطر تیرے گلے کا پھندہ اپنے گلے میں ڈالنے کو تیار ہو گئے لیکن میں اپنے بابا کو حرام موت مرنے نہیں دوں گی۔“

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ”وہ مرے گا اور ضرور مرے گا۔ جب اسے یہ خبر ملے گی کہ اس کی جوان بیٹی میرے قبضے میں ہے تو وہ تیری زندگی اور آبرو کو سلامت رکھنے کی خاطر کبھی اپنا بیان نہیں بدلے گا۔“

اس نے بے بسی سے اسے دیکھا پھر کہا۔ ”تُو دادا نواب سے ٹکر لے رہا ہے۔ خدا کے بعد مجھے اس پر بھروسہ ہے۔ وہ نہ صرف مجھے یہاں سے لے جائے گا بلکہ میرے بابا کو بھی رہائی دلوائے گا۔“

”سپنوں پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ دیکھتی رہو۔“

پھر ایک کونے میں رکھی ہوئی تھیلیاں اٹھا کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔ ”یہاں برتن نہیں ہیں۔ تھیلیوں میں ہی کھانا پڑے گا۔“

چلمن ناگواری سے بولی۔ ”اس بدبودار جگہ میں سانس لینا دوبھر ہو رہا ہے۔ مجھ سے کھایا نہیں جائے گا۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔ مجھے میرے گھر پہنچا دو۔“

”بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔ جب تک عدالت فیصلہ نہیں سنا دیتی، تم میری قید میں رہو گی۔“

چلمن بے بسی سے بولی۔ ”یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں مر جاؤں گی۔ یہ کون سی

جگہ ہے؟“

نائیک نے ایک طرف پڑے ہوئے بوری کے پردے کو اٹھا کر کہا۔ ”ادھر دیکھو!“

اس نے سر گھما کر اس طرف دیکھا تو وہاں بہت سی بھینسیں اور گائیں کھڑی ہوئی تھیں۔ فوراً ہی یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ وہ بھینسوں کا باڑہ ہے۔ نائیک نے پردہ گراتے ہوئے کہا۔ ”اس سالے دادا کی وجہ سے مجھے بھی اس ناگوار جگہ میں رہنا پڑ رہا ہے۔ کھانا رکھا ہوا ہے۔ جب بھوک لگے، کھا لینا۔ میں شام تک آؤں گا۔“

پھر وہ اسے تنہا چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ جاتے جاتے لکڑی کے دروازے کو باہر سے بند کر گیا۔ چلمن اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی اور اپنے نواب کو یاد کرنے لگی۔

☆======☆======☆

ہنگامہ، برتن اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ چاندنی چوک کے بہت سے سڑک چھاپ غنڈوں اور ایسے موالیوں کو پکڑ کر لے آیا تھا جو ہزار دو ہزار کے لئے کسی کے بھی کارندے بن جاتے تھے۔

وہ ایک ایک کو گھر کے اندر بھیج رہا تھا۔ انجلی دادا نواب کے ساتھ ایک چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی اور آنے والوں کی صورتیں دیکھ رہی تھی لیکن اب تک ان اغوا کنندگان میں سے کوئی ایک چہرہ بھی سامنے نہیں آیا تھا۔

اس نے مایوس ہو کر دادا سے کہا۔ ”اب کیا ہو گا؟ چلمن کو کیسے اور کہاں تلاش کیا جائے گا؟ میں تو نائیک کا کوئی دوسرا پتہ ٹھکانہ بھی نہیں جانتی۔“

نواب کے چہرے کا تاؤ بتا رہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر پک رہا ہے۔ صبح سے دوپہر ہو گئی تھی۔ نائیک نہ جانے چلمن کو لے کر کس بل میں چھپا بیٹھا تھا؟ اس نے ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”مصیبت تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اس کی کوئی کمزوری نہیں ہے لیکن میں بھی ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

”کیا کرو گے؟ سانپ ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔ ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ لکیر پیٹتے رہنے سے کچھ نہیں ہو گا۔“

”یہ لکیر ہی ہمیں اس کے بل تک لے جائے گی۔“

طرح طرح کے غنڈے اور موالی اندر آ رہے تھے اور وہ انہیں دیکھ دیکھ کر انکار میں سر ہلاتی جا رہی تھی۔ پھر اچانک ہی میٹر کا چہرہ اس کے سامنے آ گیا۔ مارے دہشت کے اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ یہ خوف جان لے رہا تھا کہ نہ جانے دادا اس کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟ وہ اسے دیکھ کر چیختے ہوئے بولی۔ ''یہ۔ یہی ہے وہ۔ اسی نے پہلے چلمن کو اور پھر۔ پھر مجھے بے ہوش کیا تھا۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہوتے دادا نواب کا ایک الٹا ہاتھ میٹر کے منہ پر پڑا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا پھر فوراً ہی اس کے قدموں میں گرتے ہوئے بولا۔ ''اپن کو معاف کر دو دادا! اپن کی تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ وہ تو اس ٹیکسی ڈرائیور نائیک نے میرے کو حکم دیا تھا کہ اس لڑکی کو اٹھا کر اس کے پاس لے جاؤں۔''

وہ اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''اس سالے نے حکم دیا اور تُو دادا نواب کے گھر سے ایک لڑکی کو اٹھانے پر راضی ہو گیا؟''

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ ''کیا کرتا دادا! میری بچی بہت بیمار ہے اس کی دوا کی کھاطر اپن نے یہ خطرہ مول لیا تھا۔''

وہ اس کے سر کو ایک جھٹکا دیتے ہوئے بولا۔ ''اب سیدھی طرح بتا دے، وہ کمینہ کس بل میں گھسا بیٹھا ہے؟''

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ ''اپن کو نہیں معلوم......''

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ منہ پر ایک گھونسہ پڑا۔ اس کی باچھوں سے لہو رسنے لگا۔ وہ تڑپ کر بولا۔ ''اپن جھوٹ نہیں بولتا دادا! تم چاہے سولی پر چڑھا دو۔ پَر ماں قسم! وہ اس چھوکری کو لے کر کہاں گیا ہے؟ اپن بالکل نہیں جانتا۔''

وہ اسے فرش پر گرا گرا کر لاتیں اور گھونسے برسانے لگا۔ انجلی نے بیچ میں آتے ہوئے کہا۔ ''کیا کر رہے ہو بھیا! جب اس نے اتنا سچ بول دیا ہے تو باقی کیوں چھپائے گا؟ اب اسے مارتے رہنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ نائیک بہت شاطر ہے۔ وہ اپنے پیچھے ایسا کوئی نشان نہیں چھوڑ کر گیا ہو گا، جس کے ذریعے تم اس تک پہنچ سکو۔ ذرا عقل سے سوچو! وہ ایک کرائے کے موالی کو اپنا پتہ ٹھکانہ بتا کر کیوں جائے گا؟''

وہ اسے مارتے مارتے جھنجلا گیا۔ پھر ایک ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ ''وہ کہاں گیا ہے، تُو نہیں جانتا پر اتنا تو یاد ہو گا کہ تُو نے اس لڑکی کو کہاں پہنچایا تھا؟''

''ہاں۔ ہاں۔ اپ۔ اپن نے اس چھوکری کو جوئے کے اڈے میں پہنچایا تھا۔ وہ اڈہ دہلی گیٹ کے ایک محلے میں ہے۔ ابھی بولو گے تو اپن تمہیں ابھی ادھر لے کے جائے گا۔''

وہ اسے ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ ''سالے! اب ادھر کیا رکھا ہے؟ وہ تیرا باپ کیا وہاں میرا انتظار کر رہا ہو گا؟''

مار کھاتے کھاتے اس کی حالت بری ہو گئی تھی۔ ہنگامہ نے پوچھا۔ ''اب اس کا کیا کریں؟''

نواب بولا۔ ''باہر گلی میں پھینک دو۔ چلنے پھرنے کے قابل ہو گا تو خود ہی چلا جائے گا۔''

اس نے یہی کیا، اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔ دادا نے رضیہ بی بی کو بلا کر کہا۔ ''صبح تُو منظور چاچا سے ملنے جائے گی۔ اس سے کہہ دینا کہ وہ جس مجرم کے جرم پر پردہ ڈال رہا ہے، اسی نے اس کی بیٹی کو اغوا کر لیا ہے۔ کیا اب بھی وہ اس کا ساتھ دیتا رہے گا، یا قانون کے سامنے اصل قاتل کو بے نقاب کرے گا؟''

اس بے چارے منظور چاچا کو کیا خبر تھی کہ ایک ذرا سا جھوٹ کس طرح اس کی زندگی کو عذاب بناتا چلا جائے گا؟ باہر بیٹی پر ظلم ہو رہا تھا اور حوالات کے اندر وہ بوڑھا ناکردہ جرم کی سزا پا رہا تھا۔ جس کا کوئی حاصل نہیں تھا۔ رضیہ بی بی پیغام لے کر چلی گئی۔

دادا نواب نے سوچتی ہوئی نظروں سے انجلی کو دیکھا پھر کہا۔ ''تمہارا یہاں تنہا رہنا مناسب نہیں ہے۔ اپنے کپڑے اور ضروری سامان لے لو، میں تمہیں ماں جی کے پاس چھوڑ دیتا ہوں۔ پھر اس سالے سے نمٹوں گا۔''

وہ دوسرے کمرے سے اپنی اٹیچی لے آئی پھر وہ تینوں جیپ میں بیٹھ کر جے شری کی کوٹھی کی طرف جانے لگے۔

☆======☆======☆

چلمن اس بھینس باڑے سے فرار ہونے کی ترکیب سوچ رہی تھی۔ اسے قید کرنے والا ابھی تک پلٹ کر نہیں آیا تھا۔ اس نے بوری کے پردے کو اٹھا کر دوسری طرف دیکھا۔ وہاں بھینسیں اپنی غلاظت سمیت اس کے استقبال کے لئے موجود تھیں۔

اس نے ناگواری سے منہ بسور کر پردہ گرا دیا۔ پھر اس لکڑی کے دروازے کے پاس آ کر اسے دھکا دیا۔ وہ باہر سے بند تھا۔ اس نے اسے زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ کافی دیر تک دستک دیتی رہی، لیکن کوئی آہٹ سنائی نہیں دی۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ ان بھینسوں کے ساتھ وہاں تنہا ہے۔

وہ پلٹ کر پھر اسی پردے کے پاس آ گئی۔ فرار کا ایک وہی راستہ سجھائی دے رہا تھا۔ مگر ان بھینسوں سے ڈر لگ رہا تھا۔ اس نے پردہ ایک طرف کر کے دور تک نظریں دوڑائیں۔ سوائے بھینسوں کے اور کوئی دکھائی نہ دیا۔ اس نے باہر نکلنے کے لئے ایک پاؤں آگے بڑھایا۔ وہ کوٹھڑی نما کمرہ زمین سے ایک فٹ اونچا تھا۔ اس کا پاؤں آگے بڑھ کر جیسے ہی زمین کی طرف گیا تو وہاں ذخیرہ کئے ہوئے گوبر میں دھنس گیا۔

اس نے بڑی کراہیت سے گوبر میں پنڈلی تک ڈوبے ہوئے پاؤں کو دیکھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہاں سے گزرتے وقت صرف پیر گندے ہوں گے، لیکن قدم بڑھانے کے بعد پتہ چلا کہ راہِ فرار آسان نہیں ہے۔ ان لمحات میں اسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے تمام بھینسیں اس کی حالت پر ہنس رہی ہیں اور یہ شعر پڑھ رہی ہیں۔ ''انہی گوبروں میں چل کر آ سکو تو آؤ۔ میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے۔''

وہ کبھی اپنے پاؤں کو دیکھ رہی تھی اور کبھی جھنجھلا کر دور تک پھیلی ہوئی غلاظت کو دیکھ رہی تھی۔ دل کہہ رہا تھا۔ ''آزادی کے لئے تو لوگ آگ کے دریا پار کر لیتے ہیں کیا تُو اس غلاظت کی دلدل کو پار نہیں کر سکتی؟''

اسے یہ سوچ کر ہی گھن آ رہی تھی کہ وہ دور تک پھیلے ہوئے گوبر میں سے گزر کر جائے گی لیکن آزادی بڑی نعمت ہوتی ہے۔ اس نے ایک گہری سانس لی پھر اللہ کا نام لے کر اپنا دوسرا پاؤں بھی اس دلدل میں رکھ دیا۔ زندگی میں پہلی بار ایسے گندے حالات سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ بدبو کے بھپکے اٹھ رہے تھے۔ وہ قدم بڑھانے سے ہچکچا رہی تھی۔ آگے

بڑھنے کے لئے ایک ذرا سا پاؤں اٹھاتی تھی تو گندگی کے احساس سے جان نکلنے لگتی تھی۔

وہ کچھ دیر تک جہاں اتری تھی وہیں کھڑی رہی، سوچتی رہی، حوصلہ کرتی رہی۔ پھر اس نے بڑی ہمت کر کے ایک پاؤں اٹھایا تو ایسا لگا جیسے وہ پاؤں من بھر کا ہو گیا ہے۔ پھسلن بھی ایسی تھی کہ کسی سہارے کے بغیر قدم جمائے رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا پھر سوچا۔ ''اس دیوار کے سہارے ہی آگے بڑھنا ہوگا۔''

اس دیوار کی حد بھینسوں کے پاس پہنچ کر ختم ہوتی تھی۔ اگر وہ وہاں پہنچتی تو فرار ہونے کے لئے اسے بھینسوں کے درمیان سے گزرنا پڑتا۔ وہ ان سے کترا کر نکلنے کے لئے دوسرے راستے سے جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہاں سے بنا کسی سہارے کے گزرنا بہت دشوار تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر دیوار کا سہارا لیا پھر ایک ایک قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ بھینسوں کے درمیان سے گزرنے کا سوچ کر ہی خوف محسوس ہو رہا تھا۔ پھر بھی وہ ہمت کر رہی تھی۔ چھ قدم چلنے کے بعد وہ گوبر کا ذخیرہ ختم ہو گیا لیکن ابھی بھینسوں کے ہجوم میں سے نکلنا تھا۔ کئی بھینسیں اسے گھور کر دیکھنے لگی تھیں۔ اس نے دائیں بائیں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی ایسا راستہ نہیں تھا جہاں سے وہ آسانی سے نکل جاتی۔

وہ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھی۔ پھر دھیرے دھیرے چلتی چلی گئی۔ آج تجربہ ہو رہا تھا کہ جانور کتنے ہی خوفناک دکھائی کیوں نہ دے رہے ہوں لیکن وہ معصوم شکل والے انسان سے زیادہ بھلے ہوتے ہیں۔

وہاں بھی گندگی کا ڈھیر تھا۔ وہ منہ اور ناک پر ہاتھ رکھے بڑھ رہی تھی۔ چند قدم کے فاصلے پر باڑے کا دروازہ دکھائی دے رہا تھا اور اس کے ذریعہ بیرونی آنگن نظر آ رہا تھا۔ وہ بچتی بچاتی اس عذاب خانے سے باہر نکل آئی۔ دائیں طرف اچھا خاصا صحن عبور کرنے کے بعد ایک بڑا سا آہنی گیٹ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے خوش ہو کر اِدھر دیکھا پھر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس گیٹ کی طرف جانے لگی۔ یہ یقین تھا کہ وہی راہِ نجات ہے۔

وہ آگے بڑھتے بڑھتے ایکدم سے ٹھٹک گئی۔ دیدے پھیلا کر بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ نہ جانے کہاں سے موت کی طرح اس کے سامنے چلا آیا تھا؟ اسے ریوالور

کے نشانے پر رکھتے ہوئے بولا۔''کہاں......؟''

اس نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا پھر اسے دیکھا۔ اس کے پیچھے سے وہ آہنی گیٹ دکھائی دے رہا تھا، جس کے ذریعہ وہ رہائی حاصل کرنے والی تھی، لیکن نائیک کے آتے ہی سارا معاملہ چوپٹ ہو گیا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر چلمن کو یوں لگنے لگا جیسے اُڑان بھرنے سے پہلے ہی اس کے پَر کاٹ دیئے گئے ہوں۔ وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے بولی۔''مجھے جانے دو۔ تمہیں تمہارے بھگوان کا واسطہ۔ مجھے جانے دو......''

وہ ریوالور کی نال اس کی ٹھوڑی پر رکھتے ہوئے بولا۔''ایک بات اچھی طرح سمجھ لے، تو جب بھی یہاں سے جائے گی تو اپنے گھر نہیں بلکہ میرے ساتھ کسی دوسرے شہر ہی جائے گی، اور جب تک حالات مؤافق نہیں ہو جاتے۔ تب تک ہمیں یہیں، گوبر کی سڑاند میں رہنا ہو گا۔''

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے دھکا دیتی ہوئی، اس گیٹ کو کھولتی ہوئی وہاں سے فرار ہو جائے۔ وہ اسے ایک طرف چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔''نائیک کو ہوشیاری دکھاتی ہے۔ چل! اندر چل......!''

وہ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن ریوالور کے خوف سے مجبوراً آگے بڑھنے لگی۔ دل ہی دل میں اپنے نواب کو پکارنے لگی۔

☆======☆======☆

دوسری طرف دادا نواب انجلی کو لے کر جے شری کی کوٹھی میں پہنچ گیا تھا۔ ماں جی اس وقت اکیلی تھی۔ جے شری اور راہول گھر میں نہیں تھے۔ اپنے طور پر کیس کی گتھی سلجھانے کے لئے نکلے ہوئے تھے۔ راہول راکیش کی گرل فرینڈ نیہا کو صورت سے پہچانتا تھا۔ ماں کے ساتھ اسی کی تلاش میں بھٹک رہا تھا۔

دادا نواب کے پیروں تلے جیسے کانٹے بچھ گئے تھے۔ وہ کسی ایک جگہ ٹک نہیں رہا تھا۔ ماں جی بھی یہ سن کر پریشان ہو گئی تھی کہ اس کی ہونے والی بہو کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ وہ انجلی کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھی نواب کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ادھر سے اُدھر یوں ٹہل رہا تھا، جیسے دیواروں سے سر ٹکرا رہا ہو۔ دوپہر سے شام اور اب شام سے رات ہو گئی تھی۔ بے بسی

ایسی تھی کہ وہ اپنی چلمن کو واپس لانے کے سلسلے میں اب تک ناکام ہوتا رہا تھا اور یہ ناکامی نہ جانے کب کامیابی کی صورت میں ڈھلنے والی تھی؟

ماں جی نے کہا۔''میں صبح ہی منظور چاچا سے ملنے جاؤں گی۔ اسے بتاؤں گی کہ وہ جس مجرم کا ساتھ دے رہا ہے، اس نے کیسی حرکت کی ہے؟ اگر وہ تجھے سچ بتا دیتا تو نہ اپنا بڑھاپا حوالات میں گزار رہا ہوتا اور نہ بیٹی پر یہ مصیبت آتی۔''

وہ بولا۔''ہاں۔ تم بھی جاؤ، اس بوڑھے کو سمجھاؤ۔ میں نے رضیہ بی بی سے بھی کہا ہے۔ وہ اسے چلمن کے اغوا ہونے کی خبر دے دے گی۔ وہ چاچا ہمارے لئے اہم ہے۔ اس بات کا چشم دید گواہ ہے کہ واردات کی رات پٹ نائیک اس کوٹھی میں موجود تھا۔ اصل مجرم نظروں میں آ گیا ہے۔ پھر بھی ثبوت اور منظور چاچا کی گواہی کے بغیر پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔''

ماں جی نے پریشانی سے کہا۔''مجھے تو بے چاری چلمن کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ نہ جانے وہ منحوس اسے کہاں لے گیا ہے؟''

نواب غصے سے دانت پیستے ہوئے بولا۔''وہ زیادہ دیر تک چھپا نہیں رہ سکے گا۔ میں اس مجرم کو اپنے طور پر پکڑ کر تمہارے قدموں میں لانا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے پولیس کی مدد بھی نہیں لینا چاہتا، تم سے جو وعدہ کیا ہے، اسے ضرور پورا کروں گا۔''

وہ پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا باہر چلا گیا۔ ماں جی بڑی محبت سے دروازے کو تکنے لگی۔

اس نے باہر آ کر جیپ میں بیٹھتے ہوئے ہنگامہ سے کہا۔''نائیک جہاں بھی رہے گا، چاچا کو بلیک میل کرنے کے لئے اپنا کوئی نہ کوئی قاصد تھانے ضرور بھیجتا رہے گا۔ تاکہ وہ اپنا بیان بدلنے کی غلطی نہ کرے۔''

''یعنی ہمیں اس کے قاصد پر نظر رکھنی چاہئے۔''

''ہاں۔ وہ کل صبح ضرور اپنے کسی بندے کو تھانے بھیجے گا۔ منظور چاچا کو یہ بتانے کے لئے کہ چلمن اس کے قبضے میں ہے۔ تھانے کے باہر برتن کی ڈیوٹی لگا دو۔ جو بھی اس بوڑھے سے ملنے آئے گا۔ برتن اس کا پیچھا کرے گا۔ نائیک جس بل میں گھسا بیٹھا

ہے،اس کا قاصد ہی ہمیں وہاں تک پہنچائے گا۔"

ہنگامہ جیپ اسٹارٹ کرکے آگے بڑھانے لگا۔

☆======☆======☆

منظور چاچا ایک دیوار سے ٹیک لگائے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔اس بات سے بے خبر تھا کہ حوالات کی دیواروں کے باہر اس کی بیٹی کیسے مصائب میں مبتلا ہوگئی ہے۔وہ اپنا محاسبہ کررہا تھا،اتنا بڑا جھوٹ بولنے،اپنی مالکن سے نمک حرامی کرنے اور ایک مجرم کا ساتھ دینے سے اسے سوائے پچیس ہزار کے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔نائیک نے جو سہانے سپنے دکھائے تھے،وہ ایک ایک کرکے ٹوٹ رہے تھے۔یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ جھوٹ کا ساتھ دینے والا کبھی سکون کا سانس نہیں لے سکتا۔ایمانداری کی سوکھی روٹی،بے ایمانی کے تر نوالے سے بہتر ہوتی ہے۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر آہنی سلاخوں کے پار دیکھا۔تو وہاں رضیہ بی بی نظر آرہی تھی۔ایک سپاہی سے کہہ رہی تھی۔"میں روز ہی اس قیدی سے ملنے آتی ہوں۔انسپکٹر صاحب مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔وہ نہیں ہوتے ہیں تو کیا ملاقات پر پابندی لگادی جاتی ہے؟"

سپاہی نے کہا۔"ٹھیک ہے۔میں پانچ منٹ کا وقت دے رہا ہوں،جو ضروری پیغام دینا ہے،وہ دو اور جاؤ۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی منظور چاچا کے پاس آگئی۔وہ بولا۔"کیا بات ہے؟ کیا پیغام لائی ہو؟"

"ارے پیغام کیا ہے؟ دھماکا ہے۔سنو گے تو پیروں تلے سے زمین کھسک جائے گی۔"

پھر وہ اسے چلمن پر گزرنے والے حالات بتاتے ہوئے بولی۔"دیکھ لو! تم جس قاتل کا ساتھ دے رہے ہو،اس نے تمہاری بیٹی کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

وہ آہنی سلاخوں کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر غصے سے بولا۔"یہ کام کسی اور کا نہیں،دادا نواب کا ہے۔وہ اپنی دادا گیری دکھا رہا ہے۔"

وہ بولی۔"تم خواہ مخواہ اس پر شبہ نہ کرو۔بھلا وہ ایسا کیوں کرے گا؟"

"وہ بہت سیانا ہے،سمجھ رہا ہے،میں کسی قاتل کا ساتھ دے رہا ہوں اور میری زبان کھلوانے کے لئے وہ یہ ہتھکنڈہ آزما رہا ہے۔"

وہ بولی۔"اب وہ تمہاری زبان کھلوا کر کیا کرے گا؟ جبکہ اسے اصلی قاتل کا پتہ چل چکا ہے۔بس ثبوت کا انتظار ہے۔"

اس نے ایکدم سے چونک کر رضیہ بی بی کو دیکھا۔پھر بے یقینی سے پوچھا۔"اسے کیسے پتہ چلا؟ میرا مطلب ہے،کون ہے وہ قاتل......؟"

"میں کیا جانوں؟ لیکن اتنا جانتی ہوں کہ اس مجرم نے ہی چلمن کو اٹھوایا ہے۔پتہ نہیں وہ منحوس اس معصوم کو کہاں لے گیا ہے؟ دادا نواب پاگلوں کی طرح کل سے اب تک اس کی تلاش میں بھٹک رہا ہے۔"

منظور چاچا سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ مجرم اسے ہمیشہ بلیک میل کرنے کے لئے اس کی چلمن کو اپنے قبضے میں لے چکا ہے۔اس نے غصے سے سوچا۔"میں اس کا نام پولیس کو بتادوں گا۔اس نے میری بیٹی کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی لیکن وہ تو اسے بدنام کررہا ہے۔"

پھر اس نے ایک ذرا توقف سے سوچا۔"لیکن میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں گا تو وہ نہ جانے میری بیٹی کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟ یا خدا! تو نے مجھے کس الجھن میں ڈال دیا ہے؟ میں تو بیٹی کے لئے پھول چن رہا تھا لیکن اس کے راستے میں تو کانٹے بچھتے چلے جارہے ہیں۔"

رضیہ بی بی چلی گئی تھی۔وہ سلاخوں سے سر ٹکا کر اپنے حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔ایسے ہی وقت ایک سپاہی نے وہاں آکر کہا۔"اے! تیری ملاقات آئی ہے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔وہ آنے والا کوئی اجنبی تھا۔منظور چاچا کی بوڑھی آنکھیں سرتاپا اس کا جائزہ لینے لگیں۔وہ لنگی پہنے ہوئے تھا۔گھنی مونچھیں اور اس کے پاس سے آنے والی خاص مہک سمجھا رہی تھی کہ وہ کوئی دودھ والا ہے۔اس نے سپاہی کے جانے کے بعد پوچھا۔"تم ہی منظور چاچا ہو؟"

"ہاں۔ میں ہی ہوں۔ تم کون ہو؟"

وہ سلاخوں کے قریب آ کر بڑی رازداری سے بولا۔ "میرا نہ پوچھو۔ میں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے والا بھلا مانس ہوں۔ مجھے اس ٹیکسی ڈرائیور نے بھیجا ہے۔ تمہارے لئے ایک پیغام ہے۔"

منظور نے چونک کر اسے دیکھا پھر جلدی سے پوچھا۔ "کیسا پیغام......؟"

وہ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ "وہ۔ تمہاری لڑکی اس کے پاس ہے۔ بہت مزے میں ہے۔ اس ڈرائیور نے کہا ہے کہ تم اس کی چنتا نہ کرنا بس اپنے بیان پر ڈٹے رہنا۔"

منظور نے غصے سے اسے گھورا پھر دونوں ہاتھ آہنی سلاخوں سے باہر نکال کر اس کا گریبان پکڑتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں ہے میری بچی؟"

اس نے گریبان چھڑاتے ہوئے کہا۔ "بولا ناں۔ اس کے پاس ہے، مزے میں ہے۔"

"اس سے کہو، میری بیٹی کو میرے گھر پہنچا دے۔ ورنہ بہت برا ہوگا۔ میرا ایک بیان اسے پھانسی کے تختے پر لے جائے گا۔"

وہ لاپرواہی سے بولا۔ "اچھا؟ اور اس سے پہلے تیری بیٹی کا کیا حشر ہوگا؟"

منظور بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ سمجھانے کے انداز میں بولا۔ "دیکھو بڑے میاں! میں زیادہ نہیں جانتا۔ اس ڈرائیور نے جو پیغام بھجوایا، وہ میں نے تم تک پہنچا دیا۔ اس نے ایک ہی بات کہی ہے کہ اگر تم پولیس کے سامنے زبان کھولو گے تو پہلے یہ سمجھ لینا کہ تمہاری بیٹی مرنے اور جینے کے درمیان سسکتی رہے گی۔ وہ نہ تو اسے موت دے گا اور نہ ہی عزت سے جینے دے گا۔"

بوڑھے منظور کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ بے بسی ایسی تھی کہ وہ دشمن کا منہ نہیں نوچ سکتا تھا۔ اس قاصد نے کہا۔ "میرا جو کام تھا وہ میں نے کر دیا۔ ابھی تم بولو۔ بیٹی کے واسطے کوئی پیغام بھجوانا ہے کیا......؟"

وہ روتے ہوئے بولا۔ "اس سے کہنا، اپنے بابا کو معاف کر دے۔ میں خوشیاں

خریدنے نکلا تھا، لیکن اس کی جھولی میں سوائے دکھوں کے کچھ نہ ڈال سکا۔ مجھے معاف کر دے میری بچی......! مجھے معاف کر دے۔"

وہ روتے روتے فرش پر بیٹھ گیا۔ آہنی سلاخوں سے اپنا سر پھوڑنے لگا۔ سر پھوڑنے سے پھوٹی ہوئی تقدیر نہیں سنورتی۔ جوان بیٹی ایک دن اور ایک رات سے غائب تھی اور نہ جانے کب تک غائب رہنے والی تھی؟ اسے یوں لگ رہا تھا، جیسے ہر طرف سے بدنامی اور رسوائی کے پتھر آ رہے ہیں اور وہ ان پتھروں کی قبر میں دفن ہوتا چلا جا رہا ہے۔

نائیک کا قاصد تھانے سے باہر آ گیا تھا۔ برتن دور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرتا ہوا وہاں سے جا رہا تھا۔ برتن بھی اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے اس کے پیچھے جانے لگا۔

دوسری طرف دادا نواب موبائل فون پر نمبر پنچ کر کے اسے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "ہیلو......انسپکٹر جی!"

دوسری طرف سے دلیش پانڈے کی آواز سنائی دی۔ "ہاں دادا نواب! میں بول رہا ہوں۔"

"کہاں مصروف ہیں؟ تھانے فون کیا تھا، پتہ چلا آپ کہیں باہر گئے ہیں؟"

"ہاں۔ اسی کیس کی تفتیش کے سلسلے میں نکلا ہوا ہوں۔ اس وقت نیشنل بنک آف انڈیا میں ہوں۔ کل سے اس ٹیکسی ڈرائیور اجے پٹ نائیک کے بارے میں چھان بین کر رہا تھا۔ صبح پتہ چلا کہ اس نے اس بنک میں پچاس لاکھ سے اکاؤنٹ کھولا ہے۔"

"پچاس لاکھ......اس معمولی ٹیکسی ڈرائیور کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟"

"مجھے کل سے ہی اس ڈرائیور پر شبہ تھا اور اب یہ شبہ یقین میں بدل چکا ہے کہ جے شری کے گھر میں اسی نے واردات کی ہے۔ بس اب تو پکے ثبوت کا انتظار ہے۔"

"کیا ان پچاس لاکھ کے ذریعہ اس خونی کی گردن دبوچنے کا ارادہ ہے؟"

"صرف وہ رقم ثبوت نہیں بن سکتی۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ وہاں سے چرائے گئے زیورات ہمیں قاتل تک پہنچائیں گے۔ میں نے معلومات حاصل کی ہیں۔ اس نے ایک لاکر بھی خریدا ہے۔ میں اس لاکر کو کھلوانے کے انتظامات کر رہا ہوں۔ ہو نہ ہو، وہاں سے

جے شری کے زیورات ہی برآمد ہوں گے۔''

''یعنی آپ قاتل کی شہہ رگ تک پہنچ چکے ہیں۔''

''ہاں۔ یہی سمجھ لو۔ تم سناؤ۔ میں تو قاتل تک پہنچ رہا ہوں۔ اپنا فرض نبھا رہا ہوں۔ تم کیا کررہے ہو؟ ماں جی سے کیا ہوا وعدہ یاد ہے ناں......؟''

''بیٹا اپنی ماں سے کیا ہوا وعدہ کبھی نہیں بھولتا۔ جس طرح آپ اپنا فرض نبھا رہے ہیں۔ اسی طرح یہ بیٹا بھی اپنا فرض پورا کررہا ہے۔''

''میرے ذریعے تمہیں قاتل کی اچھی خاصی رپورٹ مل چکی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مجرم تک پہلے قانون کے ہاتھ پہنچیں گے یا ایک بیٹے کے ہاتھ......''

انسپکٹر نے رابطہ ختم کردیا۔ بنک کے منیجر نے اس کی طرف ایک کاغذ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''سر! پلیز۔ یہاں سائن کردیں۔''

اس نے اس کاغذ کو پڑھنے کے بعد دستخط کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اور کتنی دیر لگے گی؟''

وہ بولا۔ ''صرف پندرہ منٹ آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔''

منیجر وہ کاغذ لے کر چلا گیا۔ پانڈے انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ واپس آکر بولا۔ ''آئیے سر! آپ کا مطلوبہ لاکر کھولا جارہا ہے۔''

وہ منیجر کے ساتھ چلتا ہوا لاکرز روم میں آیا۔ وہاں کا انچارج ان کا منتظر تھا ان کے آتے ہی اس نے مطلوبہ لاکر کو کھولا۔ سامنے ہی کپڑے کا ایک تھیلا دکھائی دے رہا تھا۔ منیجر نے اس تھیلے کو نکال کر پانڈے کے حوالے کردیا۔ اس نے اسے ایک طرف رکھی ہوئی میز پر لا کر الٹ دیا۔ تمام زیورات تھیلے سے نکل کر میز پر بکھر گئے۔

پانڈے جے شری کے لکھوائے ہوئے بیان کے مطابق ان زیورات کی گنتی کرنے کے بعد منیجر سے بولا۔ ''آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔ ان زیوارت کو پولیس کسٹڈی میں لیا جارہا ہے۔''

پھر فون پر نمبر پنچ کرنے لگا۔ اسے کان سے لگا کر رابطہ ہونے پر بولا۔ ''ہیلو۔ جے شری جی! میں انسپکٹر دلیش پانڈے بول رہا ہوں۔ آپ کو ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ کیا آپ ابھی نیشنل بنک آف انڈیا آسکتی ہیں؟''

وہ دوسری طرف کی باتیں سننے کے بعد بولا۔ ''جی ہاں۔ کیس سے تعلق ہے۔ آپ نیشنل بنک کی چاندنی چوک والی شاخ میں چلی آئیں۔ میں یہیں آپ کا انتظار کررہا ہوں۔''

کچھ دیر بعد ہی جے شری راہول کے ساتھ وہاں پہنچ گئی۔ پانڈے نے پوچھا۔ ''آپ اپنے چوری ہونے والے زیورات کو تو بخوبی پہچانتی ہوں گی؟''

وہ بولی۔ ''جی ہاں اور میں ان کی تفصیل آپ کو لکھوا چکی ہوں۔ کیا ان کے سلسلے میں کوئی معلومات حاصل ہوئی ہیں؟''

''مجھے جس بندے پر شبہہ ہے۔ میں نے ابھی اس کا لاکر اوپن کروایا ہے۔ آپ کو زیورات کی پہچان کے لئے یہاں بلوایا ہے۔''

اس نے پھر اس تھیلے کو اٹھایا جسے لاکر سے نکالا گیا تھا۔ انسپکٹر نے کہا۔ ''زیورات اسی میں ہیں اور مجھے یقین ہے یہ آپ ہی کے ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے تھیلے کو میز پر الٹ دیا۔ جے شری انہیں دیکھتے ہی بولی۔ ''یہ۔ یہ میرے گہنے ہیں۔''

پانڈے نے فخریہ انداز میں کہا۔ ''مجرم کتنا ہی ہوشیار اور چالاک کیوں نہ ہو، کہیں نہ کہیں غلطی ضرور کرتا ہے۔ اب وہ قانون کے ہاتھوں سے بچ کر کہیں نہیں جاسکے گا۔ آپ مطمئن ہوکر گھر جائیں۔ ہم جلد ہی آپ کو خوشخبری سنائیں گے۔''

جے شری نے کہا۔ ''اب تو آپ اس بوڑھے منظور چاچا کو رہا کردیں۔''

وہ بولا۔ ''ہاں۔ اسے ضمانت پر رہائی مل سکتی ہے لیکن ہم اب بھی اسے شک کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے، اس کا اس مجرم کے ساتھ کوئی گٹھ جوڑ ہو؟''

راہول نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''شک تو آپ کو مجھ پر بھی ہے۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''کیا کریں؟ ہم پولیس والے مجبور ہوتے ہیں۔ جب تک اصل مجرم ہاتھ نہیں آجاتا، تب تک اپنے سائے پر بھی شبہہ کرتے رہتے ہیں۔''

وہ تینوں باتیں کرتے ہوئے بنک سے باہر آگئے۔ جے شری اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔ انسپکٹر نے راہول سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں امید ہے قاتل جلد ہی

سلاخوں کے پیچھے ہوگا۔ آپ دونوں کو کسی بھی وقت تھانے بلایا جاسکتا ہے۔ پلیز۔ گھر میں ہی رہیں۔''

''ہمیں آپ کی کال کا انتظار رہے گا۔ سی یو سو فار......''

وہ تینوں اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر وہاں سے جانے لگے۔

☆======☆======☆

دادا نواب کے موبائل فون کا بزر سنائی دے رہا تھا۔ اس نے اس کی اسکرین پر نمبر دیکھتے ہوئے ہنگامہ سے کہا۔''برتن کال کر رہا ہے۔''

پھر فون کو آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔''ہاں بول! کیا خبر ہے؟''

برتن کی آواز سنائی دی۔''آدھے گھنٹے پہلے ایک بندہ منظور چاچا سے ملنے تھانے گیا تھا۔ جب وہ باہر آیا تو میں اس کا پیچھا کرتا رہا۔ اس وقت شہر سے باہر ہائی وے کی طرف ہوں۔ میری نظروں کے سامنے بھینسوں کا ایک باڑہ ہے۔ وہ بندہ اسی باڑے میں گیا ہے۔''

''اچھا تو نائیک شہر سے دور بھینسوں کی پناہ میں پہنچا ہوا ہے؟ وہاں کا مکمل پتہ بتاؤ، ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔''

وہ اسے ایڈریس سمجھانے لگا۔ دادا اسے ذہن نشیں کرنے کے بعد بولا۔''تمام چھوکروں کو وہاں بلا کر اس باڑے کا ایسے گھیراؤ کرو کہ اندر والوں کو کوئی شبہ نہ ہو۔ بس ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔''

ہنگامہ نے اس کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ قاتل کا پتہ ٹھکانہ معلوم ہو چکا ہے۔ وہ جیپ کی اسٹیرنگ سیٹ سنبھالتے ہوئے بولا۔''کس طرف جانا ہے؟''

وہ اس کی برابر والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔''ہائی وے کی طرف چلو......''

وہ جیپ کو اسٹارٹ کر کے بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھانے لگا۔ دادا نواب فون پر نمبر پنچ کر کے اسے کان سے لگا کر بولا۔''ہیلو انسپکٹر جی! کیا ہوا لاکر کھل گیا؟''

دوسری طرف سے پانڈے کی آواز سنائی دی۔''ہاں لاکر بھی کھل چکا ہے اور شری جی نے اپنے زیورات بھی پہچان لئے ہیں۔ بڑا پکا ثبوت ہاتھ آیا ہے۔ میں نے بنک کے ذریعہ

اس ٹیکسی ڈرائیور کی تصویر بھی حاصل کی ہے اور اسے شہر کے مختلف تھانوں میں پہنچا دیا ہے۔''

''بہت جم کے اور تیز رفتاری سے کارروائی ہو رہی ہے۔ اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اس مجرم تک ایک بیٹے سے پہلے قانون کے ہاتھ ہی پہنچیں گے۔''

انسپکٹر فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔''قانون پھر قانون ہوتا ہے نواب! مجرم اس کے ہاتھوں سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔''

''آپ کی کارروائی دیکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے۔ خیر۔ میں اپنی سی کوشش جاری رکھوں گا۔ ہوسکتا ہے، کچھوا اس دوڑ میں خرگوش کو مات دے دے؟''

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ برتن کے پاس پہنچ گئے۔ وہ ایک باڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔''وہ ہمارا ٹارگٹ ہے۔ میں نے تمام چھوکروں کو جگہ جگہ الرٹ کر دیا ہے۔ اس باڑے سے کوئی خفیہ طور پر بھی نکلنا چاہے گا تو ہماری نظروں میں آجائے گا۔''

دادا نواب اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔''شاباش......!''

پھر اس نے پلٹ کر ہنگامہ سے پوچھا۔''کیا خیال ہے؟''

وہ باڑے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔''اٹیک......''

وہ تینوں اپنے اپنے ریوالور سنبھالتے ہوئے اس طرف بڑھنے لگے۔ ان کے حواری دور جھاڑیوں میں اور مختلف جگہوں میں چھپے ہوئے تھے اور انہیں باڑے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

دوسری طرف اجے پٹ نائیک چلمن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ سہم کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔''دور رہو مجھ سے...... مجھے ہاتھ بھی لگاؤ گے تو نواب تمہاری جان لے لے گا۔''

وہ ایک ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے بولا۔''اچھا۔ تو بلاؤ اپنے نواب کو...... کہ وہ آئے اور میرے ہاتھ روک لے۔''

فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگی تھی۔ گھبرا کر فرار کا راستہ ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ بولا۔''کل سے اب تک الجھنوں میں پھنسا ہوا تھا، بہت سے معاملات

نمٹا تا رہا تھا۔ آج ہر طرف سے فرصت مل گئی ہے۔ تمہارے بابا کو یہ خبر پہنچا کر کہ تم میرے پاس حفاظت سے ہو، خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔ اب تمہارا ساتھ مجھے مزید شانت کرے گا۔"

وہ تنبیہہ کے انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولی۔"میرے قریب نہ آنا۔ ورنہ...... میں چیخ چیخ کر......"

اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔ وہ بالکل ہی قریب آ گیا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دیوار پر ہاتھ ٹیکتے ہوئے بولا۔"چیخو میری بلبل......! اس پنجرے میں کوئی تمہاری فریاد سننے والا نہیں ہے۔"

اس کے تیور سمجھا رہے تھے کہ وہ کسی طرح کی دھمکیوں میں آنے والا نہیں ہے۔ جو گرمی سے نہ مانے اسے نرمی سے رام کیا جاتا ہے۔ چلمن عاجزی سے بولی۔"جب میرے بابا تمہارا ساتھ دے رہے ہیں، تمہیں ایک بہت بڑے الزام سے بچا رہے ہیں تو پھر تم مجھ سے دشمنی کیوں کر رہے ہو؟ میں اب فرار ہونے کی کوشش نہیں کروں گی۔ چپ چاپ یہاں پڑی رہوں گی۔ مگر تمہیں تمہارے بھگوان کا واسطہ۔ اپنے ارادے سے باز آ جاؤ۔"

"جو آگے بڑھ کر پیچھے ہٹ جائے۔ وہ مردِ میدان نہیں ہوتا۔"

اس کے وجود کی گرمی چلمن کے بدن کو چھو رہی تھی۔ وہ اسے دونوں ہاتھوں سے پیچھے دھکیلنے لگی، اسے خود سے دور کرنے لگی۔ مگر نازک سے ہاتھ اس پہاڑ جیسے وجود کو ٹس سے مس نہ کر سکے۔ نائیک نے اسے دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اس کی تو جیسے سانسیں رُکنے لگیں۔ وہ اپنے بچاؤ کے لئے کبھی گھونسوں سے اور کبھی تھپڑوں سے اسے مارنے لگی۔ اس کے شکنجے سے فرار ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ اس کی گردن کی طرف جھک رہا تھا اور چلمن کی کراہت کے مارے جان نکل رہی تھی۔

چہرے کے قریب اس کے سانسوں کی گرمی محسوس ہوتے ہی چلمن بوکھلا گئی۔ پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا۔ وہ حلق پھاڑ کر چیختے ہوئے بولی۔"نواب......!!"

ہنگامہ اور دادا نواب آگے بڑھتے بڑھتے ایکدم سے ٹھٹک گئے۔ ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ دوسری طرف برتن اس قاصد کو گن پوائنٹ پر لے کر

رسیوں سے باندھ رہا تھا جس نے منظور چاچا کے پاس نائیک کا آخری پیغام پہنچایا تھا۔
چلمن کی فلک شگاف چیخ ایک بار پھر سنائی دی۔

دادا نے تڑپ کر ایک طرف دیکھا۔ کچھ ہی فاصلے پر لکڑی کا ایک دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دونوں تقریباً دوڑتے ہوئے اس دروازے کے قریب آئے۔ دادا نواب نے ایک زوردار کِک ماری تو وہ نام نہاد کمزور سا دروازہ ٹوٹ کر کھلتا چلا گیا۔

نائیک نے چونک کر ادھر دیکھا۔ دادا نواب کو دیکھتے ہی اس کے ہوش اڑ گئے۔ کمرے کا منظر دیکھتے ہی دادا نواب کے تن بدن میں جیسے آگ سی بھر گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ریوالور سے اس کا نشانہ لیتا۔ نائیک نے فوراً ہی اپنے لباس سے ریوالور نکال کر چلمن کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا۔"خبردار! میرے قریب آؤ گے تو میں اس کا بھیجا اڑا دوں گا۔ اپنے ریوالور پھینک دو۔"

نواب نے دانت پیستے ہوئے کہا۔"دادا نواب سے ٹکر لے رہا ہے۔ بڑا جی دار ہے۔"

نائیک بولا۔"میں نے کہا، اپنے ریوالور پھینک دو۔"

ہنگامہ نے کہا۔"دادا! ہم نے اسے موقع دے کر اچھا نہیں کیا۔ اس شیطان کو تو آتے ہی بھون ڈالنا چاہئے تھا۔"

دادا نواب نے اپنا ریوالور زمین پر پھینک دیا، ہنگامہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔"یہ کیا کر رہے ہو دادا......؟"

وہ نائیک کو گھورتے ہوئے ہنگامہ سے بولا۔"تم بھی اپنا ریوالور پھینک دو۔ میں اسے زندہ سلامت اپنی ماں جی کے قدموں میں لے جانا چاہتا ہوں۔"

نائیک نے مسکراتے ہوئے کہا۔"تمہاری ایک کمزوری ہے دادا! اور وہ یہ کہ تم ایسے وقت بھی ڈینگیں مارتے ہو جبکہ بازی تمہارے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔"

"تمہاری بھی ایک کمزوری ہے اجے پٹ نائیک: اور وہ یہ کہ تم موجودہ حالات کو دیکھتے ہو، جبکہ میں آنے والے حالات پر نظر رکھتا ہوں۔ رہی بازی کی بات تو اسے پلٹتے دیر نہیں لگتی۔"

چلمن اس کی گرفت میں تھی، دیدے پھیلائے اپنے نواب کو دیکھ رہی تھی۔ نائیک

نے کہا۔ ''اس لڑکی کی خیریت چاہتے ہو تو سامنے سے ہٹ جاؤ۔ ہمیں جانے دو۔''

نواب ہنگامہ کے ساتھ ایک طرف ہٹ گیا۔ چلمن نے گھبرا کر پوچھا۔ ''نواب! یہ کیا کر رہے ہو؟ مجھے اس شیطان سے نجات دلانے کے بجائے، اسے فرار ہونے کا موقع دے رہے ہو؟''

وہ اس کی گرفت سے نکلنے کے لئے مچلنے لگی۔ ''چھوڑو مجھے...... میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ نواب! دیکھ کیا رہے ہو؟ ریوالور اٹھاؤ۔''

وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اسے جبراً گھسیٹتا ہوا محتاط نظروں سے انہیں دیکھتا ہوا الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ چیخ رہی تھی، نواب کو پکار رہی تھی۔

نائیک الٹے قدموں چلتا ہوا اس کمرے سے باہر جا رہا تھا لیکن دروازے سے قدم نکالتے ہی ٹھٹک گیا۔ پُشت پر ریوالور کی نال چبھ رہی تھی۔ اس نے ایک ذرا سر گھما کر دیکھا، وہاں برتن کھڑا ہوا تھا۔ ریوالور پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔ ''لڑکی کو چھوڑ دو۔ نہیں تو تمہیں دنیا چھوڑنی پڑ جائے گی۔''

ہنگامہ اور نواب اس پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی حرکت میں آ رہی تھی۔ وہ چلمن پر فائر کرنے والا تھا، لیکن اس سے پہلے ہی نواب نے بڑی پھرتی سے اپنا ریوالور اٹھا لیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ چلمن کو نقصان پہنچاتا نواب نے فوراً ہی ایک فائر کیا۔ ایک سنسناتی ہوئی گولی نائیک کے گھٹنے میں گھستی چلی گئی۔

وہ تکلیف کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ وہ فوراً ہی جھک کر اپنے گھٹنے کو پکڑتا ہوا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ چلمن موقع پاتے ہی دوڑتی ہوئی آ کر نواب سے لپٹ گئی۔

ہنگامہ اور برتن اسے زمین پر سے اٹھا کر دونوں بازوؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے جانے لگے۔

وہ نواب کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔ وہ اس کے وجود کو دوپٹے میں لپیٹتے ہوئے بولا۔ ''ارے پگلی! اب کیوں رو رہی ہے؟ وہ شیطان پکڑا گیا ہے، اب تیرے بابا کو بھی رہائی مل جائے گی۔''

وہ اس کے چٹان جیسے سینے پر گھونسے مارتے ہوئے بولی۔ ''تُو بڑا ظالم ہے۔ عین وقت پر آیا ہے، کیا پہلے نہیں آ سکتا تھا؟ اگر تھوڑی سی بھی دیر ہو جاتی تو وہ شیطان......''

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ نواب اس کے چہرے کو ہاتھوں کے میں لیتے ہوئے بولا۔ ''جب تک یہ نواب زندہ ہے، کوئی ابلیس کا بچہ اس کی چلمن پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔''

چلمن خوش ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ بولا۔ ''ابھی ماں جی کے پاس جانا ہے۔ وہ اپنی ہونے والی بہو کو دیکھنے کے لئے بہت بے چین ہے۔''

وہ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس باڑے سے باہر آ گئے۔ ہنگامہ اور برتن دور کھڑی ہوئی جیپ میں نائیک کو باندھ کر بٹھا چکے تھے۔ نواب چلمن کے ساتھ چلتا ہوا گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ ہنگامہ اسے اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد ہی وہ جے شری کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ وہاں ماں جی، انجلی، جے شری اور راہول سب ہی موجود تھے۔

نواب نائیک کو گریبان سے پکڑ کر ماں جی کے قدموں میں پھینکتے ہوئے بولا۔ ''ممتا میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ میں ایک سال بعد جیل سے باہر آیا تھا۔ وہاں کی سختیاں برداشت کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ ماں کی نرم گرم آغوش میں سکھ کا سانس لینا چاہتا تھا۔ اس لئے جیل سے چھوٹتے ہی سیدھا تیرے پاس چلا آیا تھا، لیکن یہ سالا قاتل دیوار بن گیا تھا۔''

وہ فرش پر پڑے ہوئے نائیک کو ایک ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ ''بیٹے کو ماں کی آغوش سے دور کر رہا تھا۔ لے ماں جی! تیرے بیٹے نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔''

پھر وہ دونوں بازو پھیلاتے ہوئے بولا۔ ''اب تُو بھی اپنا وعدہ پورا کر......''

وہ فوراً ہی روتی ہوئی آگے بڑھی اور بیٹے سے لپٹ گئی۔ دادا نواب نے ایک گہری سانس یوں لی جیسے وہ ماں کے وجود سے ملنے والی ممتا کی گرمی کو اور اس کی خوشبو کو اپنے اندر جذب کر رہا ہو۔

انجلی بڑی نفرت سے اور حقارت سے فرش پر پڑے ہوئے نائیک کو دیکھ رہی تھی۔ وہ رسیوں سے بندھا بے بسی سے ادھر اُدھر ہو رہا تھا۔ گھٹنے میں لگنے والی گولی اسے بے کل کر

رہی تھی۔

انجلی اس کے قریب فرش پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں نے تم پر وشواس کیا تھا، سات پھیروں کے بندھن میں بندھ کر تمہیں اپنا پتی مانا تھا، وہ صرف پھیرے نہیں تھے، سات جنموں کا بندھن تھا لیکن تم نے تو پہلے ہی جنم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ اگر مجھے یہ بھائی نہ ملتا تو تمہارا کچھ نہ جاتا۔ ساری دنیا مجھ پر تھوکتی رہتی۔ اب وہی تھوک تم پر آ رہا ہے۔

اس نے '' آخ تھو۔'' کہہ کر اس کے منہ پر تھوک دیا۔

(ختم شُد)